فطرت اور قوانینِ فطرت: محسن الملک کی نظر میں

سمینہ حسنین

(۱)

انیسویں صدی جدید سائنسی فکر کے لحاظ سے بہت اہم نظریات کے جنم لینے کی صدی تھی۔ ان سائنسی نظریات نے صرف فرد اور معاشرے کے چند شعبہ ہائے زندگیوں پر ہی اثرات مرتب نہیں کیے بلکہ یہ نظریات، خاص طور سے، مذہب کے اعتقادی / غیبی پہلوؤں پر حملہ آور ہوئے، جس سے مذہب کو جاں بر کرانے کے لیے دنیائے اسلام کے جدیدیت پسند مفکرین نے مذہب اور سائنسی فکر کے درمیان مطابقت اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی، تاکہ جدید سائنس سے مستفید ہونے والے مسلمان، مذہب کو خیر باد نہ کہہ دیں اور جو اب تک اس بارے میں معلومات نہیں رکھتے وہ بھی جدید ترقیوں سے واقف ہوں۔ ہندوستان کی مسلم جدیدیت پرستی کے اوّلین جدیدیت پسند مفکر سر سید احمد خان [م:۱۸۹۸] نے ان اہم اور مشکل پہلوؤں کو اپنے فطرت اور قوانینِ فطرت کے مباحث کا موضوع بنایا۔ جب کئی لوگوں نے سر سید کے نقطہ نظر پر تنقید کی تو ان کے دوست اور رفیق نواب محسن الملک، سید مہدی علی خان [م:۱۹۰۷] نے اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی۔ اس طرح محسن الملک نے انیسویں صدی کے نظریہ قوانینِ فطرت کو ایک بہت ہی اہم اور سنجیدہ مسئلے کے طور پر لیتے ہوئے ان مسائل پر بحث کر کے اپنے موقف کا اظہار بھی کیا اور اپنے دوست سر سید کا دفاع بھی۔ اس مضمون میں ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ اس جدید نظریے کے بارے میں محسن الملک کے نظریات کہ فطرت اور قوانینِ فطرت (نیچر اور لاء آف نیچر) کیا ہیں، وہ کائنات میں کیسے کام کرتے ہیں، حکماء اور علماء نے ان کے بارے میں کن آراء کا اظہار کیا ہے؟ اور یہ بھی کہ نبوت، ملائکہ، اور شیطان کے بارے میں سر سید پر لگنے والے الزامات سے محسن الملک نے انھیں بری الذمہ کیسے کرایا یا نہیں کرا سکے، اور کیا انھیں خود کوئی سمجھوتہ کرنا پڑا؟

(۲)

محسن الملک اور سر سید کا تعلق، جس کا آغاز ۱۸۶۰-۷۰ء کی دہائی سے ہوا، ایک ایسی گہری رفاقت اور قربت میں بدل گیا جس کے بارے میں یہ کہنا غلط نہیں ہو گا کہ ایک دوست کی نظر اپنے دوست پر اس طرح پڑے کہ اگر کوئی اس کی مخالفت کرے تو وہ دل و جان سے اس کی موافقت میں اپنے ترکش کے تمام تیر مخالف پر پھینکنے پر آمادہ ہو جائے اور اگر خود اس دوست کے افکار و افعال میں کوئی کمزوری دیکھے تو اس کمزوری پر اس کو خلوص کے ساتھ متنبہ کرے۔ دراصل محسن الملک، سر سید کی دوستی میں یہی کچھ کر رہے تھے۔ جب سر سید کے خیالات پر کفر کے فتوے لگے تو انھوں نے اپنے افکار کے ذریعے سر سید کا مکمل دفاع کیا اور جہاں سر سید، ان کی نظر میں جدید سائنس کے افکار کو اپنانے میں لغزش کا شکار ہوئے تو وہاں سر سید کی خبر لینے اور انھیں متنبہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی[۱]۔

محسن الملک کے سر سید کے بارے میں ان موافق و مخالف رویوں کی وجہ سے جب لوگوں نے ان پر الزامات اور سوالات کی بوچھاڑ کی تو محسن الملک نے بھی بڑی محنت سے ان الزامات کی تردید کی، اور ان سوالات کا جواب دینے کی کوشش بھی۔ یہاں بھی معاملہ یہی ہے کہ محسن الملک کے کسی دوست نے، جن کے بارے میں خود محسن الملک کا کہنا ہے کہ انھوں نے بڑی محبت اور صفائی سے اپنے شبہات کا اظہار کیا ہے، کہا کہ سر سید سے تعلق رکھنے والے دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو دنیاوی امور میں انھیں مسلمانوں کا بہی خواہ مانتے ہیں مگر مذہبی عقائد میں نہیں، دوسرے وہ جو مذہبی امور میں بھی ان کو ہادی اور پیشوا مانتے ہیں، مگر آپ کا اصول کیا ہے سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لیے براہِ مہربانی صاف صاف بتایے کہ آپ کا اصل خیال کیا ہے؟ کبھی آپ کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سید صاحب کو مجتہد سمجھتے ہیں اور کبھی مخرّبِ دین، آپ کے نزدیک خدا کی جگہ نیچر کو قایم کرنا، ملائکہ، شیاطین، جنت، دوزخ، معجزات کے وجود سے انکار کرنا کفر نہیں ہے تو کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے مسلک کے بارے میں کوئی کہتا ہے کہ آپ کا کوئی اصول یا رائے نہیں، کوئی سمجھتا ہے کہ آپ اتنے مضبوط دل کے نہیں کہ کھل کر سر سید کی حمایت کریں، کوئی کہتا ہے کہ آپ ان کے معتقد تھے مگر اب آپ کی رائے ان کے بارے میں بدل گئی ہے، اور خدا کرے کہ لوگوں کا یہ خیال صحیح ہو[۲]۔

محسن الملک نے ان شکوک و شبہات کے ازالے کے لیے مکاتباتِ دلچسپ کے عنوان سے تین خطوط پر مشتمل ایک مضمون تہذیب الاخلاق میں لکھا تھا، اور اس کے کئی صفحات میں ان شکوک کے بارے میں وضاحت بھی کی تھی۔ چنانچہ اس صورتِ حال سے عہدہ برا ہونے کے لیے محسن الملک

اپنے عزیز دوستوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ:

جب ہم مسلمانوں کا حال یہ ہو کہ اپنے مجتہد اور امام سے اختلاف کرنے کو شرک سے بدتر جانیں.... تو وہ کیونکر میرے اس اختلاف پر تعجب نہ کریں گے، جو میں سید صاحب کی رایوں سے کرتا ہوں، ان کی نظر میں دو صورتوں کے سوائے تیسری صورت ہی نہیں آسکتی، یا میں ان کو کافر کہوں، یا ان کی تمام باتوں کو حق سمجھوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں ان کو محقق اور مصلح بھی جانوں اور پھر ان کی کھینچی ہوئی لکیر سے اپنا پاؤں بھی باہر نکالوں.....[۳]

محسن الملک نے سر سید کی بھلائی کے لیے تیسری راہ کا انتخاب کیا۔ جس کی دو خصوصیات ہیں: ایک یہ کہ وہ سر سید کی کہی ہوئی بات کو مزید سہل اور نرم انداز سے پیش کرتے ہیں، جیسا کہ سید عبد اللہ کہتے ہیں کہ محسن الملک، سر سید ہی کے افکار کے مبلغ ہیں .... البتہ ان کے مضامین کی خصوصیت یہ ہے کہ سر سید کے بیان میں جو شدت اور گاڑھا پن پایا جاتا ہے اس سختی اور تحکم کے بجائے محسن الملک کے بیان میں ترغیب اور ملائمت کا عنصر نمایاں اور غالب ہے[۴]۔

دوسری جانب یہ کہ سر سید کے بعض ایسے فکری نکات ہیں جن میں محسن الملک نے ان سے مختلف رائے اپنانے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا۔ سید عبد اللہ کے مطابق "جہاں سر سیّد کی عقلیت اور جدیدیت روایت سے بالکل دامن چھڑا لینا چاہتی ہے وہاں محسن الملک کی عقلیت اسلاف [روایت] کے حقیقت پسند حصّے کی طرف رجوع کرنا ضروری خیال کرتی ہے۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ محسن الملک روایت کے باغی نہیں تھے۔ روایت کے صالح عنصر سے انھیں مفاہمت گوارا تھی۔ اس کے علاوہ سر سید کے یہاں نیچر کے اصول کے معاملے میں جو ناخوشگوار غلو نظر آتا ہے، نیچر کے مخالف یہ بھی نہیں مگر نیچر کے مجنوں بھی نہیں......"[۵]

جہاں تک سید عبد اللہ کے اس بیان کا تعلق ہے کہ محسن الملک کی عقلیت اور جدیدیت روایت سے بالکل دامن نہیں چھڑاتی، اور وہ اسلاف اور روایت کے حقیقت پسند حصّے کی طرف رجوع کرنے میں عار محسوس نہیں کرتے، تو یہ بیان اس حد تک بالکل صحیح ہے کہ لوگوں کو دکھانے اور بتانے کے لیے اور سر سید کا دفاع کرنے کے لیے ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ لیکن ایک جدیدیت پسند کے لیے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ ابتدائی اسلاف کی تاریخ کی طرف جائے اور ماضی سے مثالیں لائے۔ یہی کچھ محسن الملک بھی کر رہے ہیں اور ان کے دیگر ساتھی بھی۔ چونکہ محسن الملک نے کام بڑا کیا اس لیے ماضی کے مآخذ بھی انھیں زیادہ کھنگالنے پڑے۔ اس سلسلے میں جب خاص طور سے سر سید کی تحریروں کو دیکھا جائے تو وہاں بھی قدماء کے حوالے کم نہیں ملیں گے۔

سرسید پر ایک بڑا اعتراض فطرت اور قوانینِ فطرت کے مسئلے میں یہ کیا گیا کہ کیا سرسید خدا کی جگہ 'نیچر' کو خدا سمجھتے ہیں۔ دراصل لوگوں کی یہ غلط فہمی اس لیے زیادہ بڑھی کہ انیسویں صدی کے اس جدید سائنسی نظریے کے ماننے والے فلاسفہ نے عملاً خدا کے وجود کا ہی انکار کردیا، جیسا کہ ہیگل [م:۱۸۳۱، جرمن فلاسفر] اور ڈارون [م:۱۸۸۲] جیسے فلاسفہ جو خدا کو ایک ایسی علۃ العلل سے تعبیر کرتے ہیں جو عالم میں تصرف کا اختیار نہیں رکھتی ہے، اگرچہ ان کے برخلاف ایسے سائنسدان اور فلسفی بھی ہیں جو اس نظریے کے حامی نہیں اور جن کا محسن الملک نے سرسید کا دفاع کرتے ہوئے ذکر بھی کیا ہے۔ مگر یہ شکوک وشبہات سرچڑھ کر بولے، جن سے بڑے بڑے لوگ پریشانی میں مبتلا ہوئے۔ محسن الملک نے علۃ العلل کے مسئلے پر تفصیلی بحث کرکے سرسید کا دفاع بھی کیا، ان پر گرفت بھی کی، اور اپنے موقف کا اظہار بھی کیا۔ اور اس سلسلے میں فطرت کی علمی تشریح وتوجیہ کرکے اس کی وضاحت بھی کی۔ اس موقع پر محسن الملک کے بارے میں سید عبداللہ کی یہ رائے غیر مناسب نہیں کہ محسن الملک کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے نیچر کے مسئلے کی علمی حیثیت کو واضح کیا۔ اس معاملے میں انھوں نے ابنِ خلدون کے مقدمے سے بہت فائدہ اٹھایا اور ان کے خیالات سے بڑی مدد لی، جو اجتماعِ انسانی اور نیچر کے روابط سے متعلق ہیں[۶]۔ اس سلسلے میں محسن الملک نے "ریویو مقدمہ ابنِ خلدون" کے عنوان سے دو مضامین تہذیب الاخلاق میں لکھے ہیں۔

بہر حال، محسن الملک اپنی بحث کا آغاز فطرت اور قوانینِ فطرت کی تعریف سے کرتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ یہ لفظ لاطینی زبان کے لفظ نیسٹ سے مشتق ہے، جس کے معنی "پیدا شدہ" کے ہیں[۷]۔ حکماءِ اسلام کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

> وہ یہ نہیں کہتے کہ یہ قوتیں بالذات خود فاعل اور بغیر پیدا کیے کسی کے خود پیدا ہوگئی ہیں، بلکہ وہ بھی ان کو پیدا کیا ہوا اور خدا کی طرف سے مقرر کیا ہوا سمجھتے ہیں......[۸]

اس کے علاوہ انگریزی زبان میں فطرت کے ۹/ نو مختلف معنی بتاکر، ایک طرف اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ اس لفظ کا اطلاق زندگی کے کن کن پہلوؤں پر ہو سکتا ہے، تو دوسری جانب اس بات کی نشاندہی بھی کرتے ہیں کہ وہ اس لفظ کے لغوی معنی تلاش کرنے کے لیے کس قدر گہرائی تک گئے۔ عربی زبان میں، جسے محسن الملک اپنی زبان کہتے ہیں، جب اس لفظ کے معنی جاننے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ اس کے لیے لسان العرب کا سہارا لیتے ہیں، جس میں طبیعت کے معنی یوں بیان کیے گئے ہیں، الطبع والطبیعة الخلیقة والسجیة التی جبل علیھا الانسان، طبیعت وہ چیز ہے کہ جس پر انسان پیدا کیا گیا

ہے[۹]۔ محسن الملک کے لیے نیچر یا طبیعت کے یہ معنی بھی مکمل، جامع اور اس کا پورا مفہوم واضح کرنے کے لیے کافی نہیں تھے، کیونکہ ان کے نزدیک نیچر کا اطلاق صرف انسان پر ہی نہیں ہوتا بلکہ تمام موجوداتِ عالم پر ہوتا ہے[۱۰]۔ وہ ایک جگہ اخوان الصفا کے حوالے سے کہتے ہیں کہ طبیعت یعنی نیچر ایک قوت ہے، جو تمام اجسام میں سرایت کیے ہوئے ہے، خواہ جسم بسیط ہو یا مرکب یہی ان اجسام کی مدبر یا تدبیر کرنے والی، ان کو چلانے والی، ان سے کام لینے والی ہے اور خدا کی مرضی کے مطابق ہر چیز کو اس کے انتہائی درجے تک پہنچانے والی ہے[۱۱]۔ گویا تمام موجوداتِ عالم نیچر پر قایم ہے۔لسان العرب میں محسن الملک کے مطابق فطرت کے معنی ابتداء اور اختراع کے ہیں اور فطرت اللہ سے مراد ہے خدا کی بناوٹ، جس پر اس نے آدمی کو بنایا اور پیدا کیا[۱۲]۔

محسن الملک مختلف زبانوں میں نیچر کے معنی دیکھنے کے بعد بھی مطمئن نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک کسی لغت، یا حکمت یا مذہب کی کتاب میں اس لفظ کی حد اور تعریف واضح طور پر نہیں بتائی گئی ہے، نہ زمانۂ حال کے علماء نے اس کی تشریح واضح طور پر کی ہے، یہاں تک کہ سید صاحب جن کی تفسیر کی بنیاد نیچر پر ہے اور جن کی زبان اور قلم سے ہر وقت نیچر کا لفظ نکلتا ہے وہ بھی اس کی صحیح حد اور تعریف نہیں بتا سکے[۱۳]۔ گویا فطرت کے حوالے سے محسن الملک سرسید سے نقطۂ آغاز پر سے ہی الگ ہونے لگتے ہیں، اس طرح کہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سائنس کا ایسا نظریہ ہے جو ابھی پختہ نہیں ہے۔ گویا کہ اسے پختگی تک پہنچنے کے لیے نہ جانے کتنا وقت لگ جائے اور یہ بھی کہ کیا معلوم کہ وہ آیندہ باقی بھی رہے یا اس کے مقابلے میں کوئی اور نظریہ ارتقاءپذیر ہو جائے۔ اس طرح محسن الملک نے ایک الگ منفرد راستہ اختیار کر کے دین، خاص طور سے، دعا اور قرآنی معجزات وغیرہ کے لیے گنجایش پیدا کی۔ بقول محسن الملک فلاسفۂ قدیم مثلاً سقراط [م:۳۹۹ق م] کے مکالموں میں بھی نیچر پر کوئی مکالمہ نہیں ہے، نہ حکماء یورپ ہی اب تک اس لفظ کے صحیح معنی و مفہوم بتا سکے ہیں، اور جو بتائے ہیں اس میں بھی انھوں نے غلطیاں کی ہیں[۱۴]۔ محسن الملک نے ان غلطیوں کی کوئی نشاندہی نہیں کی ہے، مگر وہ اس لفظ کے صحیح یا قریب ترین معنی و مفہوم بتانے کے لیے کسی علمی تعریف کی تلاش میں سرگرداں رہے جو انھیں فطرت اور قوانینِ فطرت کی ایسی تعریف بتائے جس سے ان الفاظ کے معنی واضح طور پر سمجھ میں آئیں۔ ان کا یہ تجسّس اور تلاش انھیں، ان کے ہم عصر فلسفی اور ماہرِ معاشیات جان اسٹورٹ مل [م:۱۸۷۳] کی ایک تعریف تک لے گیا، جنھوں نے اسی زمانے میں نیچر پر ایک مضمون لکھا تھا۔ محسن الملک، مل کی تعریف میں فطرت کے معنی تلاش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ نیچر کے بہت سے مبہم اصطلاحی معنوں میں سے

ایک معنی ہے [۱۵]۔ مل کہتے ہیں کہ:

نیچر کا یہ لفظ اور جو الفاظ اس سے نکلتے ہیں انسان کے خیالات اور جذبات پر بہت قابو رکھتے ہیں اور ان کا اثر انسانوں پر ہمیشہ بہت کچھ رہا ہے۔ لیکن جب ہم غور کرتے ہیں کہ ان الفاظ کے ابتدائی اور اصلی معنی کیا تھے اور اس کا مفہوم کیا تھا تو نہ صرف حیرت بلکہ افسوس ہوتا ہے کہ یہ الفاظ جن کا علم اخلاق اور مابعد الطبیعات میں اس قدر دخل ہے، ان کے معنی اس قدر بدل گئے ہیں اور ایسے مختلف معنی پیدا ہوگئے ہیں کہ ان سے خلط مبحث ہو جاتا ہے، اور اسی واسطے اس لفظ نیچر کے مغالطہ آمیز معنی سے لوگ دھوکا کھاتے ہیں [۱۶]۔

غالباً محسن الملک نے مل کی زیادہ نئی اور جدید تعریف سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے جو اس لفظ کے مفہوم کے بارے میں کہتے ہیں کہ

...... نیچر کا سب سے [واضح] مفہوم یہ ہے کہ وہ ایک مجموعی نام ان تمام واقعات کا ہے جو بالفعل ہوں یا بالقوۃ، یا زیادہ صحیح طور پر کہا جائے تو وہ نام ہے اس طریقے کا جو کچھ معلوم ہے اور کچھ نہ [نا] معلوم، جس میں سب چیزیں واقع ہوتی ہیں، کیونکہ اس لفظ سے جو مفہوم ہوتا [نکلتا] ہے وہ ان بے شمار مظاہر کا تفصیلی حال نہیں ہے جو واقع ہوتے رہتے ہیں بلکہ ان سب واقعاتِ عالم کا ایک مجموعی تصور ہے۔ انسانی دماغ میں ان سب مظاہر کے علم حاصل کرنے کی قابلیت ہو، تو اس کے خیال میں جو مجموعی تصور بنے گا وہ نیچر کا مفہوم ہے [۱۷]۔

یعنی مل سمجھتے ہیں کہ اس کائنات کی ابتدا سے لے کر اب تک اس میں جو تغیرات واقع ہو رہے ہیں یا جو ہو چکے ہیں یا جو ہونے والے ہیں ان سب کا انسان جب ادراک کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں جو مجموعی تصور انسان کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے وہ فطرت کا مفہوم ہے۔ فطرت کے بارے میں محسن الملک کی پیش کردہ تفصیلی تعریف نہ صرف سرسید کا دفاع کرنے کے لیے ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ خود محسن الملک کے خیالات و افکار کی آئینہ دار ہے، کیونکہ ہم دیکھیں گے کہ اس جدید نظریے کے بارے میں محسن الملک کے آیندہ نظریات اس مفروضے پر ہی منتج ہوئے کہ فطرت نام ہے اس طریقے کا جو کچھ معلوم ہے اور کچھ [نا] معلوم اور جو نامعلوم ہے وہ ایک دن معلوم ہو جائے گا، یعنی وہ قوانینِ فطرت میں داخل ہے مگر اس وقت تک انسان کی دریافت سے باہر۔ اور غالباً محسن الملک پچھلے وقوع پذیر واقعات کے لیے بھی، جن کو فطرت اب تک معلوم نہیں کر سکی، امکانات کو کھلا رکھ رہے ہیں۔ تاکہ مذہب کے مابعد الطبیعات (جن، فرشتے وغیرہ) اور خاص طور سے خرقِ عادات کے لیے جگہ بنا سکیں۔ اسی لیے محسن الملک نے اسٹورٹ مل کی نیچر کی تعریف کو پسند کیا اور اپنے اس مضمون کے لیے اس کو بنیاد بنایا، جس سے انھوں نے یقینی طور پر نیچر اور لاء آف نیچر کو تسلیم بھی کیا اور مذہب کے ناکارہ ہونے کے خیال

کو یکسر بچایا۔ اس طرح علمی اور تحقیقی راستوں میدانوں کو وسیع بھی کیا۔

وہ فطرت کے بعد قوانینِ فطرت کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”نیچر کے ساتھ ایک دوسرا لفظ بھی بولا جاتا ہے جسے لا آف نیچر کہتے ہیں، اور جسے ہم کبھی قانونِ فطرت، کبھی قانونِ قدرت سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ ان تعلقات اور ارتباط اور اس سلسلے کا نام ہے جو باہم عالم کے تمام موجودات میں پایا جاتا ہے۔ وہ ایک نیا لفظ ہے اور سائنس (علم) کا آخری اور سب سے عمدہ انکشاف ہے“۔[۱۸]

اس قانون کے سلسلے میں محسن الملک کا آخری جملہ قابلِ غور ہے کہ وہ ایک نیا لفظ اور سائنس کا آخری اور سب سے عمدہ انکشاف ہے۔ جب محسن الملک یہ سمجھتے ہیں کہ قدیم افلاطونی دور سے فطرت اور قانونِ فطرت کا تصور موجود ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس بنا پر یہ بات کہہ رہے ہیں۔ اس کا جواب وہ ایک مختصر تاریخی پس منظر میں دیتے ہیں، کہ

> قدیم زمانوں میں یعنی جب سے علم پیدا ہوا، مظاہرِ کائنات پر فرداً فرداً غور کیا جاتا تھا۔ اس وقت دنیا ایک درہم برہم عالم سمجھی جاتی تھی۔ یا یوں کہیے کہ مفرد اور علحیدہ علحیدہ اور بے تعلق واقعات کا مجموعہ تھی۔ اہلِ نظر نے اپنے غور و فکر سے یہ تو جان لیا تھا کہ ان واقعات کے مابین کوئی تعلق ضرور ہونا چاہیے مگر قانون کا علم قدیم زمانے کے لوگوں کی نگاہ سے بہت دور تھا۔ کوپرنیکس، گلیلیو اور کاپلر کے زمانے سے کائنات کی باقاعدہ سطریں اول اول نظر آنے لگیں۔ جب قدرت نے نیوٹن کے سامنے اپنا بڑا راز کھول دیا اس وقت سے یہ ظاہر ہوا کہ قانونِ قدرت فی نفسہ ایک واقعی امر ہے[۱۹]۔

یہ سوال کہ یہ قوانینِ فطرت خود کیا ہیں؟ محسن الملک اپنے زمانے کے فلسفیوں کے مطابق بتاتے ہیں کہ ”یہ قوانین نہ کسی چیز کو پیدا، نہ کسی کی پرورش کرتے ہیں۔ وہ صرف ان چیزوں کو یکساں طریقے پر قایم رکھتے ہیں جو پیدا ہو چکے ہیں۔ اور جن کی پرورش ہو رہی ہے۔ در حقیقت وہ ایک طرزِ عمل ہیں نہ کہ عامل، وہ ایک آئین ہیں نہ کہ قوت...... اس [نیوٹن] نے صرف قانونِ کشش کو دریافت اور ظاہر کیا، مگر وہ اس قانون کی ابتداء یا خاصیت یا سبب کا کوئی علم نہیں دیتا۔“[۲۰]

گویا محسن الملک کے نزدیک فطرت کی طرح قوانینِ فطرت بھی در حقیقت اس کائنات میں پیدا شدہ اشیاء کو ایک نظم و ضبط اور ترتیب کے ساتھ رکھنے کے عمل میں کوشاں ہیں[۲۱]۔ لیکن اس تمام کارخانہ قدرت کی اصل ڈور کہیں اور ہے۔ یہ سوال کہ کیا فطرت کی قسمیں بھی ہیں؟ اور کیا وہ ایک سے زیادہ ہیں؟ اس بارے میں محسن الملک، افلاطون کے خیال سے استفادہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ طبیعت کی دو قسمیں کرتا ہے، ایک عام جو تمام عالم میں جاری و ساری ہے، دوسری خاص جو ہر چیز میں [الگ الگ] ہے اور جو تمام تغیرات اور تاثیرات کا باعث بنتی ہے[۲۲]۔ اسی طرح محسن الملک کے مطابق احمد بن

عبد اللہ نے دوسری صدی میں یا چند حکماء اسلام چوتھی صدی ہجری میں فطرت کی وہی حقیقت سمجھی تھی جو اس زمانے کے فلاسفہ سمجھتے ہیں، کہ نیچر دو طرح کا ہے، ایک عام جسے 'یونیورسل نیچر' کہتے ہیں اور دوسرا خاص جو ہر چیز بلکہ ہر عضو میں الگ ہے، یہی جدید سائنس کا خیال ہے اور سرسید کا خیال بھی یہی ہے۔ اس بارے میں محسن الملک احمد بن عبد اللہ [م: ۲۲۵ھ] کی تصنیف اخوان الصفا سے استفادہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "اعضائے بدن میں سے ہر عضو کے لیے نفس [substance, essence] کی قوتوں میں سے ایک قوت ہوا کرتی ہے جو صرف اس عضو کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے اور وہی اس عضو کی مدبر ہوتی ہے۔۔۔ اس قوت کا نام اس عضو کا نفس ہے یعنی اس عضو کا نیچر مثلاً قوتِ باصرہ کا نام آنکھ کا نفس، اور قوتِ سامعہ کا نام کان کا نفس، ۔۔۔۔"[۲۳] یعنی انسان کے جسم میں کام کرنے والے حواسِ خمسہ اور دیگر اعضاء جو ایک جسم کو چلانے کا باعث ہوتے ہیں، اسی طرح کچھ قوتیں ہیں جو کائنات کا نظام چلاتی ہیں اور سائنس کی زبان میں یہی قوانینِ فطرت ہیں۔

محسن الملک شاہ ولی اللہ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ وہ "خدا کے تصرف فی القویٰ" یعنی قبضۂ قدرت یا اختیار کے معتقد ہیں، جسے وہ قبض و بسط [تنگی اور وسعت پیدا کرنا، یعنی خدا جو چاہے کر سکتا ہے] اور احالہ [مثلاً آگ حضرت ابراہیمؑ کے لیے عمدہ اور خوشگوار بنادی گئی] والہام سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر حکماء کی طرح ان کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ، "تمام دنیا کا ایک علم اور ہر جنس کا علیحدہ در، ہر ہر چیز کا جدا جدا نیچر ہے، اور اسے وہ صورتِ نوعیہ[۲۴] یعنی عام نیچر، اور خواصِ جزئیہ یعنی خاص نیچر، سے تعبیر کرتے ہیں"[۲۵]۔

محسن الملک نیچر کے معنی، اس کی تعریف، اس کی قسمیں اور اس کے قوانین کی تعریف بتانے اور حکماء و متکلّمین کے اقوال سے استشہاد کرنے کے بعد اس بحث کو آگے بڑھانے کے لیے یہ سوال کرتے ہیں کہ

> اب ہم کو دیکھنا چاہیے کہ مظاہرِ عالم پر نظر کرنے اور موجوداتِ عالم کو دیکھنے سے انسان کا خیال خدا کی طرف کیوں رجوع ہوا، اور بالآخر اس نظارے نے ایک ایسے خدا کا جو اپنی ذات وصفات میں کامل ہو کیوں یقین دلایا[۲۶]۔

محسن الملک سمجھتے ہیں کہ خالی کائنات بحیثیت جسم کے کوئی حیثیت نہیں رکھتی جب تک کہ اس میں کوئی ایسی قوت موجود نہ ہو جو ان قوتوں، خاصیتوں اور تاثیروں کی نشوونما کا باعث ہو۔ اس طرح انسان کا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ کائنات کی نشوونما کا عمل ضرور کسی پوشیدہ قوت کا مرہونِ منت ہے[۲۷]۔ اس لیے کہ جسم تو من حیث انہ جسم کوئی فعل خود سے ظہور میں نہیں لا سکتا۔ اس لیے جو کوئی معدنی، نباتی اور دیگر اشیاء کے افعال پر غور کرتا ہے اس پر منکشف ہو جاتا ہے کہ ان کو حرکت دینے والی

اور ان میں تاثیر کرنے والی کوئی اور چیز ہے جو ان سے جدا ہے[۲۸]۔ ایک جگہ وہ احمد بن عبداللہ سے ہی استفادہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جو لوگ طبیعت [نیچر] کو حواس سے جاننے کی کوشش کرتے ہیں وہ خدا کا انکار کرتے ہیں، اور جو اس کو مانتے ہیں وہ اسے حواس سے نہیں بلکہ نفس کے ذریعے جانتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ مجرد جسم کوئی فعل نہیں کر سکتا، بلکہ یہ نفس ہے جو جسم اور اعراضِ جسم سے اس طرح کام لیتا ہے جس طرح کوئی کاریگر اپنے ہتھیاروں سے[۲۹]۔

خالی جسم سے اعمال و افعال سرزد نہیں ہو سکتے بلکہ جسم کو حرکت دینے کے لیے کسی اور قوت کا ہونا ضروری ہے، اس سلسلے میں محسن الملک ملا صدر الدین شیرازی کا ایک قول لاتے ہیں جس میں وہ کہتے ہیں کہ جسم میں ایسی کوئی قوت موجود ہے جس سے یہ تاثیریں پیدا ہوتی ہیں، اور جو جسم کی تکمیل کرتی ہیں، اس کے اشکال و خواص ظاہر کرتی ہیں، اسی کا نام قوت، اور طبیعت (یعنی نیچر) ہے[۳۰]۔ محسن الملک نے جب یہ بات کئی حکماء کے اقوال سے ثابت کر دی کہ خالی جسم کوئی شئے نہیں ہے، تب سوال یہ پیدا ہوا کہ کیا کائنات بغیر کسی قوت کے حرکت کر سکتی ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو مظاہرِ عالم کو کون سی قوت حرکت میں رکھے ہوئے ہے۔ قدیم زمانے میں اس کو حرکت دینے اور چلانے کے لیے کئی قوتوں اور ارادوں کی طرف اسے منسوب کیا گیا ہے۔ "جو اپنے ارادے اور اپنی مرضی سے ان افعالِ مختلفہ کے بانی ہوں اور اپنے اپنے صیغے اور اپنے علاقے کے حاکمِ ذی اقتدار ہوں"[۳۱]۔ محسن الملک کہتے ہیں کہ "گو کوئی بڑا خدا ایسا خیال کیا جاتا جس کو تمام خداؤں پر نگرانی کا اختیار حاصل ہے مگر وہ مختلف علاقوں کا حاکم تسلیم کیا جاتا، اور ہر کام کے لیے جداگانہ خداؤں سے رجوع کرنا ضروری سمجھا جاتا"۔[۳۲]

اس بیان کے نتیجے میں کئی سوال ذہن میں پیدا ہوتے ہیں مثلاً یہ سوال کہ ایک خدا کا تصور کب اور کیسے وجود میں آیا؟ اس کے ساتھ ہی یہ سوالات بھی کہ کیا اس کائنات کی ابتداء کسی واجب الوجود ہستی سے ہے یا نہیں؟ آیا علل اور نتائج کے کل سلسلوں سے پہلے، جن کو ہم نیچر کہتے ہیں، کوئی چیز تھی یا نہیں[۳۳]؟ کیا اس کائنات کی ایجاد و خلق کو ایک خالق کے ارادے سے منسوب کرنا سائنس کے محققہ نتائج سے مطابقت رکھتا ہے یا نہیں[۳۴]؟ محسن الملک کے مطابق ایک خالق اور حاکم کا عقیدہ اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ انسان نے اس بات پر غور کرنا شروع نہیں کیا کہ کائنات کی تمام ترکیب و تالیف اور اجزائے عناصر کا باہم ملنا اور جدا ہونا، جس کو علومِ طبعی کی اصطلاح میں کون و فساد [بننا اور بگڑنا] کہتے ہیں، اور بحر و بر، کوہ و صحرا، آباد اور ویران مقامات میں افلاک کے دروں [کے بیچ میں] ستاروں کی حرکتوں، اور برجوں کے طالع [طلوع ہونے] کے موافق مرکباتِ عنصری کا بننا اور بگڑنا سب خدا کے حکم

سے ہوتا ہے، جس نے یہ خواص اور تاثیریں ان میں پیدا کیں۔ اور معدنی، نباتی، حیوانی اشیاء پر اپنا عمل کرنے کے لیے اپنی قوت سے ان کی تائید کی،۔۔۔ خدا کو اپنے افعال میں نہ آلات درکار ہیں، نہ مکاں، نہ وقت، نہ مادہ، نہ اس کی حرکتیں، بلکہ اس کا خاص فعل ابداع و اختراع ہے، جس سے مراد ہے عدم سے وجود میں لانا۔۔۔[۳۵]

اس طرح ایک منفرد ارادہ بلاشرکتِ غیرے اپنی حکومت میں عمل کر رہا ہے[۳۶]۔ گویا محسن الملک سمجھتے ہیں کہ ایک خدا کو ماننے کا عقیدہ انسانی ذہن میں ایک مدت گزرنے کے بعد سائنسی تحقیقات اور ترقی کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوا کہ بجائے بہت سے دیوتاؤں کو ماننے کے ایک ایسی کامل ہستی کو مانا جائے جو "اپنی قدرت اور ارادے میں کوئی شریک نہ رکھتا ہو۔ اس جگہ سے ایک خدا کے ماننے کا اعتقاد شروع ہوتا ہے اور نیچر خدا کی وحدت اور یکتائی سکھاتا ہے اور جہاں تک نیچر کے قوانین کا انکشاف ہوتا جاتا ہے، وحدہ لاشریک لہ، کے عقیدے کی قوت بڑھتی جاتی ہے"۔[۳۷] علل و نتائج کے سلسلے اور ایجاد و خلق اور ایک خالق کا تصور سائنس کے محققہ نتائج سے مطابقت رکھتا ہے۔ اس بارے میں محسن الملک نے ایک یورپی فلسفی، جس کا نام وہ نہیں لکھتے، کے حوالے سے خدا کے اعتقاد کو دو اقسام میں تقسیم کر کے بتایا ہے کہ ایک اعتقاد وہ ہے جو سائنسی حقائق اور تحقیق شدہ نتائج سے مطابقت رکھتا ہے، دوسرا وہ جو مطابقت نہیں رکھتا۔ مطابقت نہ رکھنے والے خدا کے عقیدے کے مطابق، خدا دنیا پر تغیر پذیر ارادے اور غیر مستحکم قانون کے تحت حکومت کرتا ہے، اور جو مطابقت رکھتا ہے وہ خدا کے غیر تغیر پذیر قوانین کے تحت حکومت کرنے کا اعتقاد ہے۔ سائنسی حقائق سے مطابقت رکھنے والے خدا کو اس کے علم، ارادے اور قدرت میں قدیم مانا گیا ہے اور وہ اس وقت تک کسی کام کے لیے اپنا ارادہ قایم نہیں کرتا جب تک کہ اس کام کا وقت نہ آجائے[۳۸]۔ اگرچہ اس سے خدا کی ناعاقبت بینی ثابت ہوتی ہے، جسے مشکل سے مطابق کیا جا سکتا ہے کہ خدا اپنے بندوں کی مناجات، دعا، گریہ وزاری اور مصیبت زدوں کی تضرع اور ابتہال، کے وقت بدلتا نہیں[۳۹]۔ دراصل بات قدرت، اختیار اور تقدیر کی ہے جو ساری دنیا پر محیط ہے۔ لہٰذا تمام مظاہرِ کائنات ایک خدائی علم اور غیر تغیر پذیر قوانین کے پابند ہیں اور ہر واقعہ پچھلے واقعات کا نتیجہ ہے، جس کی ابتداء ایک خدا کے ارادے (یعنی اس عالم کی ایجاد اور ابداع کے ارادے) سے ہوئی، تو پھر اس بات کا ماننا بھی لازم اور ضروری ہے کہ اس خدا نے علم اور نہ بدلنے والے قوانین قایم کیے، اور پچھلے واقعات پیدا کیے اور اس کا یہ بھی ارادہ ہوگا کہ تمام واقعات اپنے وجود کا انحصار مقدم واقعات پر رکھیں اور قوانینِ مقررہ کے مطابق پیدا ہوں۔ اگر صرف یہ بات مان لی جائے تو سائنس کے تجربے میں کوئی

ایسی بات نہیں ہے جو اس عقیدے کے خلاف ہو کہ قوانین اور علل اور نتائج کے سلسلے خود ایک خدائی ارادے سے پیدا ہوئے ہیں۔ بلکہ اس بات کے ماننے پر بھی ہم مجبور نہیں کیے جائیں گے کہ خدا کے ارادے کا عمل صرف ایک مرتبہ ہمیشہ کے لیے ہوا اور اس نے نظامِ کائنات کو ایک حرکت دے کر خود بخود چلتا رہنے کے لیے چھوڑ دیا۔ سائنس اس بات کو ماننے سے بھی نہیں روکتی کہ ہر واقعہ جو وقوع میں آتا ہے خدا کی ایک مرضی خاص سے پیدا ہوتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ خدا اپنی مرضی و مشیت میں واقعات اور علۃ العلل کے باہم سلسلے میں تبدیلی نہ کرے تو سائنس اس بات کو ماننے سے گریز نہیں کرے گی کہ یہ تمام ایک خدائی ارادے سے وجود میں آئے ہیں[۴۰]۔ یہ فلسفی جس سے محسن الملک نے کائنات کی ایجاد اور خلق کے حوالے سے استناد کیا ہے، اپنی بحث کو سمیٹتے ہوئے آخر میں کہتا ہے کہ عام رائے یہ ہے کہ ایسے اعتقاد سے جس میں خدا اپنے ارادے میں تبدیلی نہیں کرے گا، خدا کی حشمت اور بزرگی زیادہ قایم رہتی ہے، بہ نسبت اس عقیدے کے جس میں کہا جاتا ہے کہ کائنات کی اس طرح پیدائش ہوئی کہ وہ خود بخود چل رہی ہے۔ ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جنھوں نے اس آخری خیال کو خدا کی شان کے خلاف سمجھا ہے اور خدا کو ایسے گھڑی ساز سے تشبیہہ دینے سے احتراز کیا ہے جس کی گھڑی جب تک کہ وہ ہاتھ نہ لگائے نہیں چلتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہم اس معاملے کو تعظیم کی نگاہ سے نہیں بلکہ سائنس کی نظر سے دیکھتے ہیں اور سائنس کے نزدیک دونوں خیالات خدا کے عمل کے طریقے کے متعلق یکساں ہیں[۴۱]۔

محسن الملک سمجھتے ہیں کہ یہ بیان اس بات کا ثبوت ہے کہ فطرت اور قوانینِ فطرت کا ماننا خدا کے اعتقاد کو باطل نہیں کرتا، بلکہ اس کی خدائی اور قدرت اور علم و ارادے کے اعتقاد کے بالکل موافق ہے۔ جیسا کہ خدا خود فرماتا ہے، مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِيْرٌ ۝[۴۲]، اس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے، (اے دیکھنے والے!) کیا تو (اللہ) رحمن کی افرینش (تخلیق) میں کچھ نقص دیکھتا ہے؟ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھ، بھلا تجھ کو (آسمان میں) کوئی شگاف نظر آتا ہے؟ پھر دوبارہ (سہ بارہ) نظر کر، تو نظر (ہر بار) تیرے پاس ناکام اور تھک کر لوٹ آئے گی۔ محسن الملک کے نزدیک یہی سرسید کا عقیدہ بھی ہے اور یقیناً خود ان کا بھی جو فطرت اور قوانینِ فطرت کو عام طور سے تغیر پذیر نہیں سمجھتے، مگر سائنس کے محققہ نتائج سامنے ہونے کے باوجود خدا کے ارادے و عمل کو مانتے ہوئے وہ فطرت اور قوانینِ فطرت کے تبدیل نہ ہونے کے سلسلے میں قرآن سے مزید شہادتیں لاتے ہیں مثلاً یہ آیت اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝، ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے پر پیدا کیا ہے[۴۳]۔ گویا خدا کا ہر چیز کو ایک مقررہ اندازے پر پیدا کرنا ہی

قانونِ قدرت ہے جو تبدیل نہیں ہو سکتا اور "یہ نتیجہ جو فطرت اور اس کے غیر متغیر اور مستحکم اور مقررہ قوانین نے پیدا کیا ہے، در حقیقت اسلام کی تصدیق ہے اور علم کا سچے دل سے اس بات کا اقرار کہ فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا ؕ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا ؕ"[۴۴]۔ [اپنا رخ دینِ حنیف کی طرف کر لو۔ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا]۔" اور در اصل فطرت ہر ایک کو منادی سنانے والا اور اس حکم کا اشتہار دینے والا ہے کہ فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا ؕ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا ؕ لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ ۙ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۙ "[۴۵]، یکسو ہو کر دینِ اسلام کی پیروی کیے جاؤ، اور اللہ کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کیے رہو) اللہ کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا، یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

فطرت کے غیر متغیر ہونے کے سلسلے میں محسن الملک کئی علماء اسلام کے اقوال سے اپنے مضمون میں استفادہ کرتے رہے۔ مثال کے طور پر وہ ابنِ حزم کے ایک قول سے استناد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خدا نے ہر چیز میں یہ تمام قوتیں اور عادتیں (یعنی نیچر، طبیعت) رکھی ہیں، اور فطرت میں ایسی ترتیب رکھی ہے کہ اس میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی اور ہر عقلمند کی نظر میں یہ تبدیلی ممکن نہیں ہے[۴۶]۔ فطرت کے غیر متغیر ہونے کے بارے میں شاہ ولی اللہ کا بھی یہی خیال ہے، محسن الملک کے مطابق، وہ اشعریوں کی طرح یہ لغو خیال نہیں رکھتے کہ کسی چیز کی کوئی طبیعت نہیں ہوتی اور نہ کسی شئے میں کوئی خاصیت ہوتی ہے، نہ وہ اسے مانتے ہیں کہ گدھے سے آدمی اور درخت سے اونٹ بن سکتا ہے، بلکہ وہ کہتے ہیں جرت عادة الله تعالیٰ ان لاتنفك الخواص عما جعلت خواص لها کہ خدا کی یہ عادت جاری ہے کہ جن چیزوں میں اس نے جو خاصیتیں رکھی ہیں وہ ان سے جدا نہیں ہوتیں اور یہ کہ یہ خاصیتیں جو ہر چیز میں ہیں وہ اسی فطرت کے تابع ہیں جو اس چیز کی نوع کا ہے[۴۷]۔

فطرت کے غیر متغیر ہونے کے سلسلے میں یہ سوال بھی کیا جاتا ہے کہ "خدا جو ہر چیز پر قادر ہے اور جس نے خود قانونِ قدرت بنایا ہے وہ کیوں نہیں اگر چاہے تو اس کے برخلاف کر سکتا"؟[۴۸] یہی بات محسن الملک سرسید کے حوالے سے کہتے ہیں کہ "۔۔۔ ہاں [سرسید] یہ ضرور کہتے ہیں کہ یہ قانون ایسا مستحکم اور مضبوط ہے کہ اسے کوئی توڑ نہیں سکتا۔ نہ خدا جب تک اس قانون کو قایم رکھے گا خود اسے توڑے گا۔ اور یہ نہ توڑنا اس کا اس کی قدرت کا نقص ظاہر نہیں کرتا، بلکہ وہ پوری قدرت رکھتا ہے اس کے بدلنے، اس کے منسوخ کرنے اور اس کے بجائے دوسرا قانون قایم کرنے کی۔۔۔"۔[۴۹] اور محسن الملک کہتے ہیں کہ "بلاشبہ وہ قادرِ مطلق ہے، اگر وہ چاہے تو تمام دنیا کو اور تمام قانونِ قدرت کو معدوم کر

کے اور نئی دنیا اور نیا قانونِ قدرت پیدا کر دے، جو قانونِ قدرت کہ وہ بنا چکا ہے ان کی صداقت کے لیے ضرور ہے کہ ان میں تبدیل [تبدیلی] نہ ہو یا ان کو تبدیل نہ کرے۔ اور اس سے اس کی قدرتِ کاملہ میں کچھ نقصان نہیں آتا۔ جیسے کہ جو وعدہ خدا نے کیا ہے اس کے بر خلاف نہیں کرتا اور اس کے سبب سے اس کی قدرتِ کاملہ میں کوئی نقصان لازم نہیں آتا"۔[50] محسن الملک جو بات کہہ رہے ہیں وہ تو سر سید سے بالکل موافقت رکھتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ یا پھر وہ سر سید کی بات کو ہی کسی سوال کے جواب میں دہرا رہے ہیں۔ اور بقول محسن الملک سر سید اس کی شہادت فلسفیوں یا حکیموں سے دینے کے بجائے خدا اور قرآن سے دیتے ہیں، وہ اپنی تفسیر کی جلد سوم میں لکھتے ہیں کہ خدا نے ہم کو صاف صاف بتایا ہے "کہ قانونِ قدرت میں کسی طرح تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ نہ خدا اس میں تبدیلی کرتا ہے اور نہ تبدیل کرے گا، خدا کا بنایا ہوا قانونِ قدرت اس کا عملی وعدہ ہے کہ اسی طرح ہوا کرے گا، اگر اس کے بر خلاف ہو تو خلف وعدہ اور کذب خدا کی ذات پاک پر لازم آتا ہے جس سے اس کی ذاتِ پاک بری ہے"۔[51]

فطرت اور قوانینِ فطرت کے متغیر اور غیر متغیر ہونے کے سلسلے میں محسن الملک، سر سید کے دفاع میں اپنے تصورات کی وضاحت کرتے ہوئے اب اس بحث میں داخل ہوتے ہیں جس میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کائنات جو ایک منتظم و مرتب عالم ہے، کیا اس کا انتظام بلا استثناء واحد خدا چلا رہا ہے یا اس کے کچھ نوکر، منتظم اور موکل ہیں جو اس کے لیے یہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔ محسن الملک کے مطابق، عام طور سے تمام مسلمان یہ مانتے ہیں کہ دنیا ایک کارخانہ ہے جس کو بنانے اور چلانے والا ایک ہی ہے۔ مگر اس نے اپنا کارخانہ چلانے کے لیے اپنی نگرانی میں بہت سے مؤکّل، وعامل اور منتظم مقرر کر رکھے ہیں جو اس کی مرضی اور حکم کے موافق اپنا کام کرتے ہیں۔ اسے ایک دنیاوی سلطنت سے مثال دی گئی ہے، جس کا حقیقی مالک اور بادشاہ تو ایک ہی ہے، مگر اس کے ماتحت ایک بڑا سلسلہ نوکروں کا ہوتا ہے جن کے صیغے، علاقے، درجے اور کام مختلف ہیں۔ اور جن کی ہدایت اور عمل کے لیے ایک قانون ہے۔ جس طرح دنیا کو دیکھ کر اس کے بنانے والے پر ہم یقین کرتے ہیں، اسی طرح موجوداتِ عالم کے وجود، ان کے افعال، ان کے خواص اور ان کی تاثیرات کو دیکھ کر ہم یقین کرتے ہیں کہ ان کے قیام اور حفاظت اور ان سے کام لینے کے لیے خدا کی طرف سے کام والے مقرر ہیں۔ یہاں تک تو سب متفق ہیں، مگر اس میں اختلاف ہے کہ وہ کام کرنے والے کون ہیں، چونکہ وہ آنکھ سے دکھائی نہیں دیتے اس لیے اس بات کے ماننے میں بھی کُل کا اتفاق ہے کہ وہ کام کرنے والے جسمانی نہیں ہیں بلکہ روحانی ہیں[52]۔ اور روح وہ چیز ہے جس کی حقیقت جاننے کی صلاحیت خدا نے انسان کو نہیں دی ہے، قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ کے سوا

اسے کچھ نہیں بتایا گیا[۵۳]۔ گویا روح کی حقیقت خدا ہی نے نہیں بتائی، لہٰذا محسن الملک نے بھی اس بارے میں کوئی وضاحت نہیں کی اور اس پر کوئی قیاس آرائی کیے بغیر وہ اس کو روحانیات میں شامل کرتے ہیں۔ مذہب نے اس کا نام ملائکہ رکھا، حکماء نے طبیعت اور نیچریوں نے نیچر، مطلب سب کا ایک ہی ہے[۵۴]۔ یعنی صرف الفاظ مختلف ہیں معنی ایک، مگر اس اختلافِ الفاظ پر، بقول محسن الملک، لوگوں نے، لوگوں کے ایمان اور کفر کا مدار ٹھہرایا ہے اور صرف ناموں کی تبدیلی سے کسی کو بہشت میں اور کسی کو دوزخ میں بھیجا ہے[۵۵]۔

کائنات میں دیگر قوتوں کے کام کرنے کے حوالے سے ہم سب سے پہلے محسن الملک کے استناد شدہ اقوال میں عبد الرزاق لاہجی کے قول سے مستفید ہوں گے، کیونکہ ان کے بارے میں محسن الملک کا کہنا ہے کہ "شاید انھیں کی روح سید صاحب میں حلول کر گئی ہے اور وہ سید صاحب کی زبان سے یا سید صاحب ان کی زبان سے نیچر کو بیان کرتے ہیں، [وہ کہتے ہیں کہ] یہ علامہ بھی کچھ بگڑے خیال کا معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے بھائی سنّی تو یہ کہہ کر چپ ہو جائیں گے کہ کان رافضیاً، مگر اس کے اہلِ قبلہ ہونے سے تو انکار نہیں کر سکتے، اور شیعہ بھائیوں کو تو اس کا قول ماننا ہی پڑے گا۔ اور جو لوگ نہ شیعہ ہیں نہ سنّی بلکہ ٹھیٹ اسلام کے ماننے والے محمدی وہ نہایت تعجب آمیز خوشی اس کے اس خیال اور اس قول پر ظاہر کریں گے"۔[۵۶] بقول محسن الملک عبد الرزاق لاہجی کا کہنا ہے کہ بعض دوسرے علماء نے قوتوں کی کلیتاً نفی کا اظہار کیا ہے اور قویٰ سے جو افعال منسوب ہیں ان کو وہ ملائکہ سے منسوب کرتے ہیں، یہاں ان میں سے کوئی چیز بھی درکار نہیں اس لیے کہ ہمارے پاس ایک ایسے حکیم و علیم بتانے والے کا وجود موجود ہے جس سے تمام افعال کا ظہور جڑا ہوا ہے اور بغیر اس قوت کی وساطت کے ملائکہ مقدس بلکہ ذواتِ مقدسہ، غالباً دیگر موجودات، مخلوقات، کا باہم ملنا جو خساست سے خالی نہیں، بہت عجیب ہے[۵۷]۔ اس کا مطلب ہے کہ سرسید بھی خدا سے الگ قویٰ کا تصور نہیں رکھتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک سب کچھ نیچر ہی ہے، اس بیان سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اور غالباً اسی لیے محسن الملک پُرزور طریقے سے سرسید اور لاہجی کی مماثلت بتا رہے ہیں۔ محسن الملک احمد بن عبد اللہ سے استناد کرتے ہیں کہ طبیعت نفسِ کلی کی قوتوں میں سے ایک قوت ہے جو کائنات کی تمام مخلوقات میں پھیلی ہوئی ہے، مذہب کی زبان میں اس کا نام ملائکہ اور حکمت میں قوائے طبیعہ ہے، جو اس کائنات کا نظم قائم رکھنے میں خدا کے حکم سے مقرر ہیں[۵۸]۔

یہ سوال کہ کیا یہ کام خدا خود انجام نہیں دے سکتا؟ محسن الملک کہتے ہیں کہ ان کاموں کو خدا کی طرف منسوب نہ کرنے کا اور انہیں قوائے طبعی یا فرشتوں کی طرف منسوب کرنے کا سبب یہ ہے کہ خدا

کی ذات اس سب سے برتر ہے اور یہ اس کی شان کے خلاف ہو گا کہ وہ خود کام کرے اگرچہ تمام کام اور احکام اسی سے منسوب ہیں، جیسا کہ دنیا میں ہوتا ہے، مثلاً سلیمان نے مسجد ایلیاء بنائی، منصور نے بغداد بنوایا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ کام انھوں نے خود کیے بلکہ یہ کہ ان کے حکم سے کیے گئے[۵۹]۔ محسن الملک قرآن سے بحوالہ اخوان الصفا استدلال کرتے ہیں کہ خدا نے آنحضرت سے فرمایا ومارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ،[۶۰] اور اے نبی! جس وقت تم نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ تم نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں۔ اور دوسری جگہ فرمایا "تم نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے ان کو قتل کیا"[۶۱]۔ اس طرح محسن الملک یہ بات طے کر کے کہ خود خدا کارخانہء قدرت میں کام انجام کیوں نہیں دیتا ملائکہ کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کائنات میں کام کرنے والے ملائکہ کے حوالے سے علماء شریعت کا کہنا ہے کہ "ملائکہ صرف پیغمبروں کے سکھانے اور ان کے پاس پیام لانے کے لیے مقرر نہیں ہیں، بلکہ ہر کام اور ہر چیز کے لیے ایک فرشتہ مامور ہے۔۔۔"[۶۲] غالباً احمد بن عبداللہ کے ان تصورات سے غزالی نے استفادہ کیا ہے۔ محسن الملک غزالی سے استشہاد کرتے ہیں:

> ایک غذا ہی پر نظر کرو تو معلوم ہو گا کہ تمہارے نباتات کو بھی غذا پہنچانے کے لیے کم سے کم سات فرشتے موکل ہیں، اور اسے وہ یوں سمجھاتے ہیں [کہ] غذا کے معنی یہ ہیں کہ ایک جزو اس کا دوسرے جزو کی جگہ پر رکھا جاوے، اور اخیر کو وہ خون ہو کر گوشت و پوست بنے، لیکن تمہارا خون اور تمہارا گوشت و پوست تو جسم ہے، اسے نہ قدرت ہے نہ اختیار، نہ معرفت اس لیے وہ [نہ] متحرک ہو سکتا ہے اور نہ اپنے آپ کو کسی دوسری چیز میں بدل سکتا ہے۔۔۔ اسی طرح تم کو غذا پہنچانے میں جتنی حالتیں غذا کی بدلتی ہیں ان سب کے لیے فرشتے مقرر ہیں۔۔۔ اس لیے کہ ہر چیز کو اس کا حصّہ مناسب پہنچادے۔۔۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ کسی جگہ غذا زیادہ پہنچ جاوے، اور کسی جگہ کم۔۔۔ اور پھر یہ فرشتے تو زمین کے فرشتے ہیں ان کو آسمان کے فرشتوں سے مدد پہنچتی ہے اور آسمان کے فرشتوں کو عرش کے فرشتوں سے[۶۳]۔

اس طرح محسن الملک کے فکری رہنما غزالی ہر فعل اور تاثیر کی انجام دہی کے لیے ایک فرشتے کو اس کام سے منسوب کرتے ہیں اور ان [سب] کو خدا کے موکل قرار دیتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غزالی احمد بن عبداللہ کے اس خیال کے حامی ہیں جو کہتے ہیں کہ جس طرح بارش کے ہر قطرے کے ساتھ آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوتا ہے جو اس قطرے کو زمین تک پہنچاتا ہے اسی طرح یقیناً ہر ایک پتے، پھل اور تخم کے ساتھ جو زمین سے باہر آتے ہیں ان پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو اسے اس کے آخری انجام یا حد تک پہنچاتا ہے۔ اور یہ تمام امور خالق کے حکم سے انجام پاتے ہیں، اور انھیں کو احمد بن عبداللہ نے نفسِ ملکیہ بسیطہ کی قوتیں قرار دیا ہے، جو نہ صرف نباتات کی اجناس اور انواع میں اپنا کام کرتی ہیں بلکہ

معدنیات، حیوانات میں بھی یہی کام کرتی ہیں۔ جیسا کہ احمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ نباتات کے مصنوع ہونے کو بظاہر سب دیکھتے ہیں لیکن ان کے بنانے والے اور ان کی علت کو نہیں جانتے۔ اس علت کو فلاسفہ نے طبیعت کہا ہے اور مذہب نے فرشتے اور احمد بن عبداللہ انھیں نفوسِ جزئیہ یعنی خاص نفس کہتے ہیں۔ الفاظ اور عبارتیں مختلف ہیں مگر سب کا مقصد ایک ہے۔ احمد بن عبداللہ ایک مزید مثال مقناطیس کی دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ معدنیات میں مقناطیس کی خاصیت اور دیگر معدنیات میں جو 'جذب ودفع' کی قوت ہے وہ نیچر سے ہی منسوب کی گئی ہے۔ اسی طرح پتھروں کی پیدائش اور جو تاثیر ان میں ہے وہ بھی قوتِ طبیعہ (جسے ہم نیچر کہتے ہیں) کا کام ہے۔ یہ سب خدا کی طرف سے دی گئی ہیں اور اسی کے حکم سے کام کرتی ہیں اور یہ تمام اجسام یا قوتیں جو مختلف طبیعتیں، گوناگوں شکلیں اور طرح طرح کے خواص رکھتی ہیں اپنے فاعل، بنانے والے، حرکت میں لانے والے کے آلات ہیں۔ جن میں طبیعت (فطرت) مختلف اوقات اور مقامات میں اپنا عمل کرتی ہے"[۶۴]۔

(۳)

فطرت اور قوانینِ فطرت کے ان پہلوؤں، مثلاً فطرت کیا ہے، اس کے قوانین کیا ہیں، وہ کائنات میں کیسے سرایت کیے ہوئے ہیں، ان کو چلانے والی کوئی ہستی ہے یا وہ خود بخود چل رہے ہیں، اگر کوئی ہستی ہے تو کائنات میں اس کی حیثیت کیا ہے، وہ کیسے کام کر رہی ہے یا کروا رہی ہے، کام کرنے والی قوتوں سے کیا مراد ہے، وغیرہ پر بحث کرنے کے بعد اب ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ محسن الملک نے سرسید کو غیر مرئی اعتقادی معاملات مثلاًوجودِ آسمان [وجودِ آسمان کی بحث ہم کہیں اور کریں گے]، ملائکہ، حور وغلماں، شیطان، اور قصّہء آدم کے وجودِ خارجی کے انکار کرنے کے مسئلے سے اور منکرِ قرآن ہونے کے الزام سے کیسے بری کرایا۔ ان مسائل کے ساتھ انھوں نے اعجازِ قرآن کے مسئلے کو بھی اٹھا کر اس معاملے میں سرسید کے موقف کو درست بھی بتایا اور خود اپنے موقف کی بھی کئی مقامات پر نشاندہی کی۔ مسئلہ دراصل سائنس اور مذہب یا عقل اور نقل کی تطبیق اور ہم آہنگی کا ہے۔

محسن الملک ملائکہ کی بحث کی طرف آتے ہیں وہ کہتے ہیں، سرسید ملائکہ کے اس وجود کے منکر ہیں جن کو عموماً ہم مسلمان مانتے ہیں[۶۵]۔ عام مسلمانوں کے ساتھ اپنے آپ کو شامل کرنے کی محسن الملک کی کوشش سے غالباً ان کا مقصد یہی ہو گا کہ وہ سرسید اور ان کے مکتبۂ فکر پر لگائے جانے والے الزمات سے انھیں بری کرائیں جو ان کا مقاطعہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے معاشرے اور مسلمانوں کی اصلاح کا عمل خطرے میں پڑنے لگتا ہے۔ یہ سوال کہ محسن الملک نے کبھی اس سلسلے میں اپنے موقف کی

نشاندہی کی یا نہیں؟ ویسے تو وہ سرسید سے اعتقادی مسائل اور خاص طور سے ان کی تفسیر کے بارے میں بحث کرنے کے موقع پر اپنے نظریات کی وضاحت کرتے رہے مگر وہ بحث مکمل نہیں ہو سکی۔ البتہ اپنے ایک اور مضمون میں وہ اس پر کچھ روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ شیطان کے وجود خارج عن الانسان ہونے سے میں منکر نہیں ہوں، سید صاحب اس کے منکر ہیں مگر اس کے وجودِ حقیقی، اس کی شیطنت اور اغوا کی تاثیرات کے وہ بھی منکر نہیں ہیں، تو کیا ایسی تاویل کرنے والے کو کوئی کافر کہہ سکتا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ ملا عبدالحلیم شرر نے رسالہ تسویہ کی جو شرح کی ہے، اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اور لوگ بھی شیطان کے وجودِ خارجی کے منکر ہیں، انھیں نہ کوئی کافر کہتا ہے نہ مرتد[۶۶]۔ محسن الملک کا یہ بیان اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ شیطان کے وجودِ خارجی کے مخالف نہیں ہیں، مگر پھر وہ اس کی وضاحت کیسے کرتے؟ اس سلسلے میں اخوان الصفا سے استشہاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان مسائلِ دقیقہ میں علمائے شریعت اور فقہائے ملت حیران ہیں اور ابلیسیت اور اس کی حقیقت میں متحیر، اکثر اس کے وجود میں شک کرتے ہیں، اکثر مدعیانِ فلسفہ نے آدم کے قصے اور شیطان کے جھگڑے اور مباحثے سے انکار ہی کیا ہے۔۔۔[۶۷]۔

سرسید فرشتوں اور ملائکہ کے بارے میں یہ خیال رکھتے ہیں کہ "۔۔۔ قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے ثابت نہیں ہوتا بلکہ خدا کسی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور ان قویٰ کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کیے ہیں ملک یا ملائکہ[۶۸] کہا ہے، جن میں سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے"[۶۹]۔ اگرچہ محسن الملک فرشتوں اور ملائکہ کی بحث، پچھلے حصّے میں کر چکے ہیں، یہاں اسے دوبارہ اٹھاتے ہوئے اپنی اس بحث کو مجمل کہتے ہیں اور بعض اور اقوال پیش کرتے ہیں جن سے معلوم ہو کہ "پچھلے علماء نے حاملانِ عرش بریں اور جبرئیل واسرافیل وعزرائیل ومنکر ونکیر و رضوان و مالک اور حور وغلماں سب کے وجودِ خارجی سے انکار کیا اور کسی کو کواکبِ ثابتہ اور کسی کو سیاراتِ سبعہ کی روحانیت سے تعبیر کیا ہے"[۷۰]۔ گویا یہاں وہ فرشتے یا ملائکہ مراد ہیں، جو عام طور سے مشہور ہیں یا جن کا ذکر قرآن وحدیث میں آیا ہے۔ ان فرشتوں کی تعبیر احمد بن عبداللہ اس طرح کرتے ہیں کہ نویں آسمان کے سیاروں کو وہ حاملانِ عرشِ بریں کہتے ہیں[۷۱]۔ احمد بن عبداللہ یونانی نظریہ کی طرح آسمانوں کی تعداد سات سے بڑھا کر نو تک لے گئے اور ان کے مطابق اس آسمان کے سیارے عرش بریں تک پہنچتے ہیں۔ اس لیے سرسید کا فرشتوں کا وجودِ خارجی نہ ماننا، انکارِ ملائکہ نہیں ہے، کیونکہ وہ اپنا کوئی حقیقی وجود نہیں رکھتے اس لیے انھیں کسی اور وجود کے حوالے سے سمجھنا ہوگا۔ اور جو اس چیز کا انکار نہیں

ہو گا۔ اس طرح محسن الملک نے اخوان الصفا کے کئی حوالے دے کر اس بات کی وضاحت کی ہے کہ فرشتوں کے وجود کی تشریح سیارات سے بھی کی گئی ہے، ان کو ایسی قوت بھی مانا گیا ہے جو عالم میں موثر ہے اور جن کو فلاسفہ قدیم نے روحانیاتِ کواکب بھی کہا ہے۔ انھیں کا نام شرع کی زبان میں اسرافیل و جبرائیل ہے [۴۲]۔ احمد بن عبد اللہ نے ان مختلف سیاروں کو مختلف ملائکہ سے تعبیر کر کے ہر سیارے کے ساتھ فرشتے اور ان کے لشکر منسوب کیے ہیں، وہ ۶ سیاروں کی تفصیل بتاتے ہیں، ان میں آفتاب، زحل، مریخ، مشتری، زہرہ اور عطارد شامل ہیں [۴۳]۔ مثال کے طور پر آفتاب کے جرم سے ایک روحانی قوت تمام دنیا میں پھیلتی ہے، فلسفی اس قوت کو اور اس کے آثار کو آفتاب کی روحانیت کہتے ہیں اور شریعت نے اس قوت کا نام فرشتہ رکھا ہے، جن میں سے ایک اسرفیل ہے جس کو صور پھونکنے کی خدمت سپرد کی گئی ہے [۴۴]۔ اسی طرح باقی پانچ سیاروں کی قوتوں سے دیگر فرشتے، حور و غلماں، کراماً کاتبین کو تعبیر کیا گیا ہے [۴۵]۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب فرشتوں کا کوئی وجودِ خارجی نہیں ہے تو قصّہ آدم جو قرآن میں آیا ہے اور خدا اور فرشتوں کے درمیان ہونے والا مباحثہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں سر سید کا کہنا یہ ہے کہ "اگر ہم فرض کریں کہ فرشتے اور شیطان ایک علیحدہ وجود رکھتے ہیں، جیسا کہ عموماً مسلمانوں کا عقیدہ ہے، تو بھی یہ بات بحث طلب ہے کہ کیا فی الواقع یہ مباحثہ خدا اور فرشتوں میں ہوا تھا، کیونکہ قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ فرشتے خدا سے مباحثہ نہیں کر سکتے بلکہ اس کے حکم کو بجالاتے ہیں پھر کیوں کر کہا جا سکتا ہے فی الواقع فرشتوں نے خدا سے مباحثہ یا جھگڑا ٹنٹا کیا تھا"۔[۴۶]

محسن الملک اس معاملے میں سر سید کا دفاع کرنے کے لیے قیصری کی شرح فصوص الحکم سے استناد کرتے ہیں، جو سمجھتے ہیں کہ وہ فرشتے جنھوں نے خدا سے آدم کے معاملے میں جھگڑا کیا وہ آسمانی فرشتے نہیں ہیں اس لیے کہ فرشتے انسان کی عظمت و بزرگی اور اس کے درجے کو جانتے ہیں۔ لہذا جن فرشتوں نے خدا سے جھگڑا کیا وہ جن و شیاطین ہیں اور زمین کے فرشتے ہیں، انھوں نے اپنے 'غلبۂ جہالت' کی وجہ سے آدم کو سجدہ نہیں کیا [۴۷]۔ ان ملائکہ ارضی کی خصوصیات، قوتِ شھوانیہ [appetitve] اور قوتِ غضبیہ [iracible] ہیں جو نفسِ ناطقہ (انسانی روح) پر غالب آکر اسے اپنے افعال اور اغراض کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اسی سے نفسِ امارہ انسان میں برائیاں کرانے لگتا ہے اور جن کو قیصری مفسدین [فساد کرنے والے] سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس طرح قیصری ملائکہ کی دو قسمیں زمینی اور آسمانی کر کے کہتے ہیں کہ یہی ہمارے قول کی دلیل ہے کہ چونکہ فساد جسمانی قوتیں کرتی ہیں،

روحانی نہیں اس لیے آسمانی فرشتے خدا کے ساتھ جھگڑا نہیں کر سکتے [۷۸]۔ گویا قوائے روحانیہ اور قلبیہ ہی فرشتے ہیں جو خدا کے حکم کے خلاف کوئی فعل نہیں کر سکتے [۷۹]۔ محسن الملک مزید قیصری کا حوالہ دیتے ہیں فرشتوں کے آدم سے تعریض کرنے کے سلسلے میں، جن کا کہنا ہے کہ تعریض کرنے والے فرشتے اہلِ جبروت اور ملکوت سماوی میں سے نہیں تھے۔ اس لیے کہ اپنی نورانیت اور مراتب کمال حاصل ہونے کی وجہ سے وہ انسان کی حقیقت سے واقف تھے، اور یہ زمین کے فرشتے اور جن وشیاطین تھے جو انسان کی حقیقت سے آگاہ نہیں تھے اور انھوں نے آدم سے تعریض کی۔ کیونکہ ایسے ہی ادنیٰ درجے والوں سے یہ فعل صادر ہو سکتا ہے۔ قیصری نے اپنی دلیل کو مضبوط بنانے کے لیے آیت انی جاعل فی الارض خلیفہ، ہم نے انسان کو زمین پر خلیفہ بنایا، سے استدلال کیا ہے اس سے قیصری سمجھتے ہیں کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آدم کے ساتھ تعریض کرنے والے فرشتے زمین ہی کے تھے جنھوں نے خدا کی نافرمانی کی [۸۰]۔ سرسید بھی ان حکماءِ اسلام کی طرح آدم و ملائکہ کے قصّے کو حقیقت پر مبنی نہیں سمجھتے ہیں، اور وہ بھی فرشتوں اور شیطان کو ان اچھی بری قوتوں سے تعبیر کرتے ہیں جو خدا نے انسان میں رکھی ہیں [۸۱]۔ محسن الملک مزید کہتے ہیں احمد بن عبداللہ نے بھی انھیں دو قسم کے فرشتوں سے تعبیر کیا ہے مگر قیصری سے مختلف انداز سے۔ احمد بن عبداللہ آدم کو سجدہ کرنے والے فرشتوں کو نفوسِ حیوانی کہتے ہیں، جیسا کہ وہ کہتے ہیں:

> وہ فرشتے جنھوں نے آدم کو سجدہ کیا، وہ آسمان کے فرشتوں کے زمین میں قایم مقام ہیں اور ان سے مراد تمام حیوانات کے نفوس ہیں، جنھوں نے آدم اور اس کی اولاد کو سجدہ کیا۔ یعنی قیامت تک ان کے اطاعت اور فرمانبرداری پر مجبور کیے گئے ہیں [۸۲]۔

احمد بن عبداللہ بنی آدم کی حفاظت اور تدبیر پر مقرر فرشتوں کو نفسِ ناطقہ انسانیہ سے تعبیر کرتے ہیں، جو زمین میں خدا کے نائب ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آدم کی پیدائش کے وقت یہی نفسِ ناطقہ ان میں داخل ہوا، اسی کو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا اسی لیے نفوسِ حیوانی نفسِ ناطقہ کے مطیع ہیں اور نفس ناطقہِ بنی آدم میں آج تک موجود ہے، جو انسان کی نشوونما، اس کی جزا و سزا، قیامت میں اس کے دوبارہ اٹھنے، پہچاننے، جنت میں داخل ہونے اور افلاک تک پرواز کرنے کا سبب ہیں [۸۳]۔ فرشتوں کی ارضی اور سماوی خصوصیات کی وضاحت کے بعد سوال یہ ہے کہ ابلیس کا شمار کن فرشتوں میں ہوتا ہے، جو اصل کردار ہے آدم کو سجدہ نہ کرنے والوں اور خدا سے جھگڑا کرنے والوں میں۔

سرسید کی طرح احمد بن عبداللہ نے بھی آدم کو سجدہ کرنے کے انکار پر ابلیس کو قوتِ غضبیہ شہو

انیہ اور نفسِ امارہ سے تعبیر کیا ہے [۸۴]۔ اس بارے میں اہلِ تصوف کا موقف بھی محسن الملک پیش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک "ابلیس سے وہ قوتِ وہمیہ مراد ہے، جو انسانوں میں ہے اور جو عقل سے مخالفت رکھتی ہے، اگرچہ بعض لوگ ایسا نہیں سمجھتے مگر پھر بھی ان تحریروں سے جو اس خیال کے نہ ماننے پر کی گئی ہیں اس بات کا استنباط ہوتا ہے کہ قوتِ وہمیہ کو کچھ لوگ ابلیس سمجھتے تھے"۔[۸۵] قیصری ابلیس کو عالمگیر قوتِ وہمی کا نام دیتے ہیں، جو انسان اور حیوان میں موجود ہیں، اور وہ اس قوتِ عامہ کے افراد ہیں، کیونکہ وہ عقل کی، جو ہادی ہے، مخالفت کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں آنحضرت کا فرمان یہ ہے کہ تیرا سب سے بڑا دشمن نفس ہے، جو انسان کے پہلو میں ہے، اور شیطان انسانی جسم میں خون کی مانند دوڑتا پھرتا ہے۔ لہٰذا اگر نفس عقل کی مخالفت کی وجہ سے شیطان کہلانے کا مستحق ہے تو عقل کا حال بھی یہی ہے، کیونکہ وہ بھی جو باتیں اس کے حدِ فہم سے باہر ہیں ان کو جھٹلاتی ہے، اور یہ کہ ایک صوفی حقیقت تک مکاشفات کے ذریعے ہی پہنچ سکتا ہے، جیسا کہ آخرت کا حال وغیرہ[۸۶]۔ گویا نہ نفس نہ عقل کامل ہدایت دے سکتی ہے۔ محسن الملک کے لیے اس قسم کے حوالے شاید اس لیے بھی مناسب ہوں کہ وہ خود عقل کی فضیلت کے حامی ہونے کے باوجود سمجھتے ہیں کہ اس کی ایک حد بھی ہے مگر یہاں وہ یہ بھی بتا رہے ہیں کہ انسانی نفس اور صوفی کے انکشافات دونوں ہی عقل مخالف عناصر کو شیطان سمجھتے ہیں، حالانکہ سوال یہ ہے کہ صوفی کے مکاشفات سے عقل کا کیا کام، جس کی وجہ سے ایک جدیدیت پسند کے لیے تصوف کا سہارا مشکلات پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں، مگر شاید محسن الملک کے سامنے یہ بات ہو کہ ان کے پیش کردہ حوالوں کے علماء و حکماء نہ صرف فلسفے اور منطق میں مہارت رکھتے ہیں بلکہ وہ تصوف اور فقہ کے بھی ماہر ہیں، اس لیے تصوف کے حوالے سے کوئی بات کہنا شاید محسن الملک کے لیے مشکل نہ ہو اور نہ ان کی جدید فکر کے آڑے آتی ہو۔

یہ سوال کہ خدا نے فرشتوں اور ابلیس کے واقعے کو اس طرح کیوں بیان کیا جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ حقیقی واقعات ہیں؟ شاید اس لیے کہ انسانی عقل اسی طرح انھیں آسانی سے سمجھ سکے۔ اس سلسلے میں سرسید نے اس واقعے کی تعبیریوں کی کہ چونکہ خدا کو انسانی فطرت اور جذبات میں جو قوائے بہیمیہ ہیں ان کی برائی اور دشمنی سے آگاہ کرنا ہے اس لیے اس نے ایسے دقیق راز کو انسانی فطرت کی زبان سے بیان کیا تاکہ خدا کا اصل مقصد حاصل کرنے سے کوئی محروم نہ رہے۔ سرسید اسے قرآن کا بڑا معجزہ کہتے ہیں[۸۷]۔

اس بارے میں محسن الملک سرسید کا دفاع کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ واقعہ سلف کے ہاں بھی اسی طرح موجود ہے جیسے کہ سرسید اسے بیان کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں احمد بن عبداللہ کی رائے یہ ہے کہ

کلامِ الٰہی، کلامِ انبیاء اور حکماء کے اکثر اقوال میں ایسے اسرار مخفی ہیں جو یا تو خدا جانتا ہے یا وہ اعلیٰ مرتبت لوگ جو علم میں بلند ہیں، کیونکہ ہر ایک ان باریک باتوں کو سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتا، اسی لیے آنحضرت نے فرمایا کہ "لوگوں کی عقل و دانش کے موافق کلام کرو اور اسرارِ الٰہی کا کھولنا کفر ہے۔۔۔، اسی طرح اور بہت سی آیتیں اور حدیثیں ہیں جن میں ایسے اسرار پنہاں ہیں، جن کا عوام اور نادانوں پر کھولنا، خاص کر اس زمانے [احمد بن عبد اللہ کا زمانہ] میں کسی طرح جائز نہیں ہے۔ اسی سبب سے حقائق و معارف کو ایسا لباس پہنایا ہے جو عوام کی عقل و فہم کے موافق ہو۔ لیکن خواص حکماء اصلی غرض اور حقیقت کو جانتے ہیں۔ ہاں وہ شریروں اور نااہلوں سے اس کو چھپاتے ہیں۔ پس جو شخص نااہلوں کو علم سکھاتا ہے اس کو ضائع کرتا ہے اور جو ان کو روکتا ہے جو علم کے مستحق ہیں وہ ان پر ظلم کرتا ہے"۔[۸۸] اس طرح محسن الملک نے فرشتوں اور شیطان کے بارے میں شہادتیں پیش کر کے بتایا کہ سر سید اپنے خیالات میں منفرد نہیں ہیں۔

فطرت اور قوانینِ فطرت اور اس سے ملحقہ یا اس سے متعلق غیر مرئی محدثات اور مخلوقات پر بحث کا سب سے بڑا حصّہ سر سید اور محسن الملک کے مباحث کی شکل میں سامنے آیا، محسن الملک نے تقریباً ان تمام مباحث کو اپنی تحریروں کا حصّہ بنایا جن پر سر سید نے قلم اٹھایا اور جو سر سید کے کسی اور رفیقِ کار نے نہیں کیا سوائے چراغ علی کے جو سر سید کی تاویلات سے متاثر ہوئے اور شبلی کے جو غالباً محسن الملک کی فکر سے قریب آ گئے۔

دراصل محسن الملک اور سر سید کے درمیان ہونے والی فطرت اور قوانینِ فطرت کی اس بحث میں محسن الملک کا موقف سر سید سے الگ نہیں ہے بلکہ محسن الملک نے اس موقف میں ایک موڑ لیا ہے اور ہندوستانی مسلم جدیدیت پسند حلقے میں پہلی مرتبہ سائنس اور مذہب کی عملداریوں کو الگ الگ کر کے دکھایا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ جب تک یہ دونوں اپنی اپنی قلمرو سے تجاوز نہیں کریں گے اس وقت تک دونوں میں ٹکراؤ ممکن نہیں۔ اپنے اس موقف میں وہ ان فلاسفہ اور سائنسدانوں سے زیادہ قریب ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ جدید سائنس کا یہ نظریہ ابھی ارتقائی مراحل میں ہے، اور جواب تک اس کے بارے میں کوئی حتمی رائے قایم نہیں کرتے ہیں۔ اس سے محسن الملک نے یوں استفادہ کیا کہ چونکہ قوانینِ فطرت کا نظریہ ابھی پختہ نہیں ہے، اس لیے انھیں حتمی نہیں کہا سمجھا جا سکتا اس طرح انھوں نے قرآن میں موجود خرقِ عادت آیات کو کسی سائنسی نظریے پر قربان کرنے سے بچایا۔ محسن الملک نے خواہ اپنے کسی دینی جذبے کے تحت یہ بات کی ہو یا اس بات کو محسوس کیا ہو کہ سر

سید کی تاویل اور تعبیر سے مسئلہ حل نہیں ہو رہا ہے اور بجائے اس کے کہ لوگ جدید سائنس اور علوم کو بالکل ہی خیر باد کہہ دیں وہ اپنی طرف سے کوئی ایسی بات کریں جس سے قرآن میں موجود معجزات کا انکار کیے بغیر مسلمانوں کو جدید علوم اور مذہب سے قریب کیا جائے، کیونکہ لوگ سر سید کی تفسیر سے خائف تھے۔ شاید ان کی یہ فکر ان کے ہم عصروں اور بعد کے مفکرین کے لیے اہمیت کی حامل رہی ہو اور بعد کے آنے والے سر سید کے رفقاء نے اس فکر سے ہم آہنگی کر کے قوانینِ فطرت کے اندر خرقِ عادت کے مسئلے پر سر سید سے ہٹ کر کچھ کہنے کی جسارت کی ہو۔ انیسویں صدی کا یہ سائنسی نظریہ اکیسویں صدی تک کے فلاسفہ اور متکلمین کے لیے آج بھی بحث کا ایک موضوع ہے۔

❁...❁...❁

حوالہ جات و حواشی

۱ محسن الملک، "مکاتباتِ دلچسپ"، تہذیب الاخلاق، جلد۱، ص۳۲۱، ۳۲۲؛ محسن الملک کے بارے میں ان کے مخالفین کا یہ رویہ کہ اگر محسن الملک سرسید کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں تو وہ بڑے کام کے آدمی ہیں۔ ان خیالات کا اظہار ان کے ایک دوست مظہر الحق نے ایک خط میں کیا ہے جو تہذیب الاخلاق میں شایع ہوا ہے۔ ان کے مطابق "۔۔۔اگر تمھارے خیال دین کی نسبت اچھے رہتے تو تم حقیقت میں بڑے کام کے آدمی تھے لیکن ہم لوگوں کی بدنصیبی ہے کہ تم سے لوگ یوں بگڑے جاتے ہیں۔۔۔" "مراسلات"، تہذیب الاخلاق، ص۲۶۱؛ یقیناً محسن الملک کے لیے یہ ایک بڑا اہم بیان ہے کہ روایتی طبقہ کے علماء کے لیے وہ کس قدر کام کے ہو سکتے تھے اور یہ بھی کہ اس وقت کے کسی مکتبہ فکر میں ان کی شمولیت کتنی اہمیت کی حامل ہے۔

۲ محسن الملک، "مکاتباتِ دلچسپ"، تہذیب الاخلاق، ص ۳۲۵، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۳، ۳۴۴۔

۳ ایضاً۔

۴ سیّد عبداللہ، سرسیّد اور ان کے نامور رفقاء، ص ۳۴۲۔

۵ عزیز احمد، برصغیر میں اسلامی جدیدیت، ص ۱۰۷

۶ سید عبداللہ، سرسید اور ان کے نامور رفقاء، ص ۲۸۱؛ محسن الملک نے نیچر کی اس بحث میں جو مضامین لکھے ان میں وہ ابن خلدون کا حوالہ کہیں نہیں دیتے ہیں۔ البتہ تہذیب الاخلاق میں انھوں نے جو مضامین لکھے ان میں مقدمہ ابن خلدون پر دو ریویو بھی کیے ہیں۔ اس میں انھوں نے مسلمانوں کے تاریخی واقعات کی چھان بین، تحقیق و تنقیح اور فطرت اور قوانین فطرت سے رابطے کے فقدان پر تنقید کی ہے۔

۷ محسن الملک،"مکاتباتِ دلچسپ : نیچر و لا آف نیچر یعنی فطرت اور قانون فطرت"،تہذیب الاخلاق، جلد ۱،ص ۳۳۳

۸ ایضاً،ص ۳۴۹

۹ ایضاً،ص ۳۳۳؛ جمال الدین محمد ابن منظور،لسان العرب،ایران،۱۴۰۵ھ،جلد ۸،ص ۲۳۲

۱۰ محسن الملک،مکاتبات دلچسپ،ص۳۳۴

۱۱ محسن الملک،مکاتباتَ دلچسپ،ص ۳۵۲؛ احمد بن عبداللہ،رسائل اخوان الصفاوخلاّن الوفائ، بیروت،ب ت،جلد ۲،صَ۱۳۲،۱۳۳

۱۲ محسن الملک،مکاتبات دلچسپ،ص ۳۳۴؛ ابن منظور،لسان العرب،جلد ۵،ص ۵۶،۵۸؛یہ عبارت دو مختلف صفحات سے جوڑَی گئی ہے،لفطرة الاتبداءوالا ختراع و فطرة الله ای خلقة الله التی خلق علیها البشر۔

۱۳ محسن الملک،مکاتباتِ دلچسپ،ص ۳۳۴؛ سید عبداللہ،سرسید اور ان کے نامور رفقا،ص ۲۸۰۔۲۸۱

۱۴ ایضاً،ص ۳۳۴

۱۵ ایضاً،ص ۳۳۵

۱۶ ایضاً،ص ۳۳۴

Nature, *Essential works of John Stuart Mill*, ed. Max Lerner, Newyork, 1965, p. 367

۱۷ محسن الملک،مکاتبات دلچسپ،ص ۳۳۵؛ جان سٹورٹ مل،نیچر،ص ۳۶۹

۱۸ محسن الملک،مکاتباتَ دلچسپ،ص ۳۳۵؛یہ خیال کہ فطرت یا نیچر کے موجود ہونے کا سب کو علم ہے مگر اس کے قوانینَ کا انکشاف بعد میں ہوا تو اس سلسلے میں Hugo Grotious) م: ۱۶۴۵ (،جسے فلسفۂ قانون قدرت اور معاہدۂ عمرانی کا پہلا نمائندہ کہا گیا ہے،اس کا کہنا ہے کہ دوہزار سال سے لاءآف نیچر کے وجود سے کسی نے انکار نہیں کیا،اس کا کہنا ہے کہ یہ قانون بالکل نا قابل تبدل ہے جسے خود خدا بھی تبدیل نہیں کر سکتا۔بہر حال یہ ۱۷ویں صدی کے Grotiou کا نظریہ بھی ہو سکتاہے اور۱۸ویں صدی کے نیوٹن کا کارنامہ بھی،جیسا کہ محسن الملک اسے سمجھتے ہیں۔Hugo Grotious،ڈچ ماہرِ قانون جس نے *De Jure Belliacpacis* ۱۶۲۵ء میں لکھی،نیچرل لا اس کا موضوع ہے۔

"Europe," *Encyclopedia Britanica*, chicago, Vol, 18, p-755

۱۹ محسن الملک،مکاتبات دلچسپ،ص ۳۳۵

۲۰ ایضاً،ص ۳۳۵۔ ۳۳۶؛ نیوٹن نے بلا مبالغہ اس بات کا اقرار کیا ہے کہ وہ نہیں جانتا تھا کہ کششِ ثقل (تجاذب/ gravitation) کیا تھا،جب اس کے ریاضی کے تجربات میں بے قاعدگیوں کی نشاندہی ہوئی تو

اسے محسوس ہوا کہ یہ براہِ راست خدا کی مداخلت پر منحصر ہے۔ "Europe" Encyclopeadia Britanica, vol. 18, p. 756.

[21] محسن الملک، مکاتبات دلچسپ، ص۳۳۶؛ بیسویں صدی کے ایک جدیدیت پسند پاکستانی اسکالر، جو ۱۹۸۷ تک شکاگو یونیورسٹی میں پروفیسر رہے، فضل الرحمن کا موقف بھی محسن الملک کی طرح یہ ہے، جس کا اظہار آگے مزید ہوتا جائے گا، کہ ساری کائنات ایک "خود کار ارادے، کے ساتھ خدا کا حکم بجالا رہی ہے، سوائے انسان کے جس کو حکم عدولی کا موقع میسر ہے، اسی لیے قرآن تمام کائنات کو 'مسلم' قرار دیتا ہے جس میں ہر چیز خدا کے حکم کے تابع ہے اور ہر چیز خدا کی تسبیح کر رہی ہے"۔ قرآن کے بنیادی موضوعات، ص ۹۱

[22] محسن الملک، مکاتبات دلچسپ، ص۳۳۶

[23] ایضاً، ۳۵۴؛ احمد بن عبداللہ، اخوان الصفا، جلد ۲، ص ۳۸۷؛ محسن الملک، سرسید کے فطرت اور قوانینِ فطرت کے بارے میں عام مفہوم کے حوالے سے ان کے مضمون نیچر کا حوالہ دیتے ہیں کہ " ابتداء میں یہ علم (نیچر) محدود تھا، مگر جس قدر زیادہ تحقیقات ہوتی گئیں، اسی قدر زیادہ وسیع ہوتا گیا اور ثابت ہو گیا کہ جس قدر چیزیں دکھائی دیتی ہیں یا جانی گئی ہیں، یہاں تک کہ انسان کے کام، اور انسان کے خیالات اور اس کے اعتقادات، سب کے سب نیچر کے قوانین کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں"۔ مکاتبات دلچسپ، ص ۳۳۶؛ سرسید، نیچری، مقالات سرسید، لاہور، ۱۹۶۳، جلد یازدہم، ص۱۵۴

[24] نوع : قسم، مخلوقات، جزئی، partial , Species, mankind,

[25] ایضاً، ص ۳۶۴-۳۶۵؛ شاہ ولی اللہ، حجۃ، ص ۵۰

[26] محسن الملک، مکاتبات دلچسپ، ص ۳۳۷

[27] ایضاً، ص ۳۳۷، ۳۳۸

[28] ایضاً، ص۳۳۸، ۳۵۲-۳۵۹؛ احمد بن عبداللہ، اخوان الصفا، جلد ۲، ص ۱۶۶، ۱۶۷

[29] ایضاً، ص ۳۵۲، ۳۵۳؛ احمد بن عبد اللہ، اخوان الصفا، جلد ۲، ص ۶۴

[30] ایضاً، ص ۳۵۹، ۳۶۰؛ ملا صدر الدین شیرازی، اسفارِ اربعہ، مترجم: سید مناظر احسن گیلانی، دکن، ۱۹۴۳، جلد ۳، ص۸۲

[31] ایضاً، ص ۳۳۸؛ فضل الرحمٰن اس سلسلے میں کہتے ہیں کہ قرآن کا بار بار خدا کی طاقت اور اس کی عظمت اور رحمت کا دہرانا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کی طاقت اور عظمت ہی اس کائنات پر اس کے محیط ہونے کا اصل مفہوم ہیں، تاکہ انسانوں کو اس خیال سے نکالا جائے کہ جس سے وہ محدود ہستیوں کو لامحدود ہستی کے ساتھ لاکھڑا کرتے ہیں اور ان کو ایک جیسا سمجھتے ہیں یا پھر وہ خدا اور اس کی مخلوق کے درمیان کچھ بیچ والے خدا فرض کر لیتے ہیں۔ قرآن کے بنیادی موضوعات، ص ۱۷

[32] محسن الملک، "مکاتباتِ دلچسپ"، ص۳۳۸

[33] ایضاً، ص ۳۳۹

۳۴ ایضاً، ص ۳۴۵

۳۵ ایضاً، ص۳۵۹

۳۶ ایضاً، ص ۳۳۸

۳۷ ایضاً، ص ۳۳۸، ۳۳۹؛ محسن الملک کے اس مضمون کے صفحہ ۳۳۷ پر سر سید کے مضمون نیچری کا حوالہ دیا گیا ہے تا کہ اس بات کی وضاحت کی جا سکے کہ سر سید خدا کی جگہ نیچر کو نہیں رکھتے ہیں۔

۳۸ ایضاً، ص ۳۴۵، ۳۴۶

۳۹ ایضاً، ص۳۴۵، ۳۴۶، ۳۳۸-۳۴۰

۴۰ ایضاً، ص ۳۴۶ ؛ آج کے ایک اسکالر اور ماہرِ طبیعات پرویز ہود بھائی اپنی کتاب اسلام اور سائنس میں ایک فرانسیسی فلسفیVoltaire [م:۱۷۷۸] کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ ولٹائر کا کہنا ہے، خدا نے کائنات کی تخلیق بالکل اسی طرح سے کی جیسے ایک گھڑی ساز گھڑی بناتا ہے۔ایک بار جب یہ بن گئی تو اس کا اس سے مزید کوئی تعلق نہیں رہتا؛ اس کو حرکت دینے کا قانون طبعی بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح خدا کے منصوبے نے ان کو مقرر کیا ہے۔اس طرح ماہرِ طبیعات خدا پر ایمان رکھنے کی اجازت دیتے ہیں مگر اسی خدا کی جس نے کائنات تخلیق کی اور اس میں توازن پیدا کیا۔ وہ مداخلت کرنے والے خدا پر ایمان رکھنے کی اجازت نہیں دیتے جو کائناتی نظام کے قوانین کی ترتیب کو کسی اور طرح بدل دے۔کیونکہ ایک دخل انداز ہونے والے خدا کی وجہ سے سائنسی تحقیقات ناممکن ہو جاتی ہیں۔گویا سارے سائنسی انقلاب کا مقصد یہی تھا کہ وہ فطرت کی الٹی پلٹی طاقتوں سے انسان کو آزاد کرتی ہے اور اس کو قطعیت کی طرف راغب کرتی ہے۔مگر کیا یہ ہو سکتا ہے،حالیہ سائنس کی ترقیاں ہمیں بتا رہی ہیں کہ سائنس کی قطعیت ایک فریبِ نظر ہے۔
Islam and Science: Religious Orthodoxy and The Battle for Rationality, London, 1991, p. 14,15.

۴۱ ایضاً، ص ۳۴۶

۴۲ ایضاً، ص ۳۴۶، ۳۴۷؛ القرآن، سورہ الملک ۶۷، آیت ۳، ۴؛ محسن الملک اپنی بحث کے اس مقام پر پہنچ کر کہتے ہیں کہ یہاں سے خرقِ واقعات، استحالہ طبیعت، اور لاءآف نیچر کے ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کی بحث کا آغاز ہوتا ہے، مگر چونکہ اس وقت ’روئے سخن‘ ان کا سرسید کے مخالف کی حیثیت سے نہیں ہے اس لیے یہاں وہ صرف یہ بتانا اور دکھانا چاہتے ہیں کہ سرسید کا نیچر اور لاءآف نیچر کو ماننا اور انھیں غیر متغیر سمجھنا ایسا اعتقاد نہیں ہے جس سے وہ ملحد اور دہریے قرار پائیں۔مکاتبات دلچسپ، ص۳۴۷

۴۳ محسن الملک، مکاتبات دلچسپ، ص۳۴۴؛ القرآن، سورہ القمر ۵۴، آیت ۴۹

۴۴ ایضاً، ص۳۴۰؛ القرآن، سورہ الروم ۳۰، آیت ۳۰؛ القرآن، سورہ آل عمران ۲، آیت ۱۹

۴۵ ایضاً، ص۳۴۰؛ القرآن، سورہ یونس ۱۰، آیت ۱۰۵، سورہ الروم ۳۰، آیت ۳۰

۴۶ ایضاً، ص۳۶۳، ۳۶۴؛ ابن حزم، الملل والنحل، مترجم: عبداللہ عمادی، کراچی، ب ت، ص ۳۰۷

۴۷ محسن الملک، مکاتبات دلچسپ، ص۳۶۵؛ شاہ ولی اللہ، حجۃ، ص ۵۰

[۴۸] ایضاً، ص ۳۴۵

[۴۹] ایضاً، ص ۳۴۴

[۵۰] محسن الملک، مکاتبات دلچسپ، ص ۳۴۵؛ اسی حوالے سے باربرامٹکاف نے انیسویں صدی کے ایک مباحثے کا ذکر کیا ہے، جو شاہ اسمٰعیل شہید [م: ۱۸۳۱] اور فضل حق خیر آبادی [۱۸۶۱] کے درمیان ہوا تھا، اور اس میں کئی شعراء غالب، حکیم مومن خان مومن، صدر الدین آزردہ بھی شامل ہو گئے۔

Islamic Revival in British India: Deoband 1860-1900, p.65,66 Karachi, 1989.

[۵۱] محسن الملک، مکاتبات دلچسپ، ص ۳۴۴۔

[۵۲] ایضاً، ص ۳۴۷۔

[۵۳] ایضاً، ص ۳۴۸؛ القرآن، سورہ الاسرا ۱۷، آیت ۸۵۔

[۵۴] ایضاً، ص ۳۴۸۔

[۵۵] ایضاً، ص ۳۴۸۔

[۵۶] ایضاً، ص ۳۶۱۔

[۵۷] ایضاً، ص ۱۶۱؛ عبدالرزاق لاہیجی، گوہر مراد، ب م، ۱۲۲۲ھ، ص ۱۰۹؛ ۔۔۔ و صدور این افعال از ملائکہ مقدسہ بدون وساطت این قوی بلکہ بہ مباشر تاند و ذات مقسدہ مراین افعال را کہ اکثر انھاخالی از خساستی نیست بسیار عجب تر۔۔۔۔

[۵۸] محسن الملک، مکاتبات دلچسپ، ص ۳۵۲؛ احمد بن عبداللہ، اخوان الصفا، جلد ۲، ص ۶۳۔

[۵۹] ایضاً، ص ۳۵۶، ۳۵۷؛ احمد بن عبداللہ، اخوان الصفا، جلد ۲، ص ۲۵۱۔

[۶۰] ایضاً، ص ۳۵۷ ؛ احمد بن عبداللہ اخوان الصفا، جلد ۲، ص ۱۵۳؛ القرآن، سورہ انفال ۸، آیت ۱۷۔

[۶۱] ایضاً، ص ۳۵۷۔

[۶۲] ایضاً، ص ۳۴۸؛ احمد بن عبداللہ، اخوان الصفا، جلد ۲، ص ۱۵۲؛ ذکرت فی کتب الانبیاء علیہم اسلام، انہا ملائکۃ اللہ وجنودہ الموکلون بہا، و ذکرانہ قدورد فی الاخبار التواترہ۔۔۔

[۶۳] محسن الملک، مکاتبات دلچسپ، ص ۳۴۸۔۳۴۹؛ غزالی، احیاء، جلد ۴، ص ۱۲۰۔۱۲۱؛ فضل الرحمٰن کے مطابق فرشتے کا لفظ آنحضرت کی طرف وحی لانے والے ایجنٹ کے لیے کوئی زیادہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ قرآن کم از کم آپ کی طرف وحی لانے والے کے لیے فرشتے کا لفظ استعمال نہیں کرتا بلکہ اسے روح یا روحانی پیغام رساں کہتا ہے۔ فرشتے کا لفظ قرآن میں بہت دفعہ بطور ملکوتی ہستیوں کے استعمال ہوتا ہے جو خدا کے کارندے ہیں، جو ہر طرح کے کام کرتے ہیں، انسانوں کی زندگیاں لینے سے خدا کے عرش سنبھالنے تک۔ قرآن کے بنیادی موضوعات، ص ۱۳۰۔

[۶۴] محسن الملک، مکاتبات دلچسپ، ص ۳۵۵۔۳۵۹؛ احمد بن عبداللہ، اخوان الصفا، جلد ۲، ص ۱۵۲۔ ۱۵۳، ۱۵۶۔

[۶۵] محسن الملک، مکاتبات دلچسپ : خط سوم۔ ایک دوست کی تحریر کے جواب میں "، تہذیب الاخلاق، جلد ۱، ص ۳۶۹۔

[۶۶] محسن الملک، مخدومی ظلہم، تہذیب الاخلاق، جلد ۱، ص ۲۶۳۔

[۶۷] محسن الملک، مکاتباتِ دلچسپ : خط سوم، ص ۳۷۷؛ احمد بن عبداللہ، اخوان الصفا، جلد ۱، ص ۳۶۳۔

[۶۸] ملائکہ کا واحد ملک ہے جس کا اطلاق فرشتے پر کیا جاتا ہے، اس کے لغوی معنی قاصد یا پیام رساں کے ہیں اسی لیے قرآن میں ملائکہ کے لیے رسل کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ کتاب و سنت اور تفاسیر میں فرشتوں سے متعلق دس امور کا ذکر کیا گیا ہے، جس میں پہلا یہ ہے کہ ان کو غیر مرئی اجسام کہا گیا ہے، ان کی تخلیق نور سے ہوئی ہے، تمام مذاہبِ عالم بلکہ قدیم یونانی اور مصری فلسفے میں بھی ان کے وجود کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، ۱۹۶۸، جلد ۲۱، ص ۵۳۴۔

[۶۹] محسن الملک، مکاتباتِ دلچسپ : خط سوم، ص ۳۶۹۔

[۷۰] ایضاً، ص ۳۶۹۔

[۷۱] ایضاً، ص ۳۶۹؛ احمد بن عبداللہ، اخوان الصفا، جلد ۲، ص ۱۵۲۔

[۷۲] ایضاً، ص ۳۶۹؛ احمد بن عبداللہ، اخوان الصفا، جلد ۲، ص ۱۵۲۔

[۷۳] ایضاً، ص ۳۶۹، ۳۷۰؛ احمد بن عبداللہ، اخوان الصفا، جلد ۲، ص ۱۵۲۔

[۷۴] ایضاً، ص ۳۶۹، ۳۷۰؛ احمد بن عبداللہ اخوان الصفا، جلد ۲، ص ۱۵۲۔

[۷۵] ایضاً، ص ۳۷۰، ۳۷۱؛ احمد بن عبداللہ، اخوان الصفا، جلد ۲، ص ۱۵۲۔

[۷۶] ایضاً، ص ۳۷۱۔

[۷۷] ایضاً، ص ۳۷۱؛ قیصری، شرح فصوص الحکم، قم، ب ت، ص ۷۷؛ قرآنی تعلیمات کے مطابق فرشتے ایک نوری مخلوق ہیں، وہ اللہ کے عبادت گزار، اطاعت شعار بندے ہیں، جنھیں اللہ نے مختلف تکوینی امور کی تکمیل کی ذمہ داری سونپی ہے وہ اللہ کی نافرمانی کر ہی نہیں سکتے۔ اسحاق بھٹی، "ملائکہ"، دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۲۱، ص ۵۴۱۔

[۷۸] محسن الملک، مکاتبات دلچسپ، ص ۳۷۱، ۳۷۲۔

[۷۹] محسن الملک، مکاتباتَ دلچسپ، ص ۳۷۱؛ قیصری، شرح فصوص الحکم، ص ۷۸۔

[۸۰] محسن ملک، مکاتباتَ دلچسپ، ص ۳۷۳، ۳۷۴؛ قیصری، فصوص الحکم، ص ۷۷، ۷۸؛ القرآن، سورہ البقرہ ۲، آیت ۱۲، ۳۰۔

[۸۱] ایضاً، ص ۳۷۲۔

[۸۲] ایضاً، ص ۳۷۲۔

۸۳ ایضاً، ص۳۷۲،۳۷۳،۳۷۳؛ احمد بن عبداللہ، اخوان الصفا، جلد۲، ص۳۴۳؛ اخوان الصفاکے اس حوالے میں محسن الملک نے بیچ سے عبارت کم کی ہے جو اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ اس میں سے اپنے کام کا مواد لے لیتے ہیں اور باقی کو چھوڑ دیتے ہیں۔ فضل الرحمٰن فرشتے اور آدم کے قصّے کے حوالے سے کہتے ہیں کہ جب خدانے آدم کو تخلیق کرنے کا ارادہ کیا، زمین میں اپنا خلیفہ مقرر کرنے کی غرض سے، تو فرشتوں نے احتجاج کیا، جس پر خدا نے آدم اور فرشتوں کے درمیان علم کا مقابلہ کرایا، اس میں آدم نے تخلیقی علم کی بناءپر کامیابی حاصل کی۔ جس پر خدا نے فرشتوں سے آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا، تمام فرشتوں نے سجدہ کر کے علم میں انسان کی برتری کو تسلیم کیا، سوائے ایک کے جسے قرآن جنّات میں سے ایک جن قرار دیتا ہے، اس نے آدم کی برتری کو تسلیم نہیں کیا اور شیطان بن گیا۔ قرآن شیطان کا ذکر خدا کے مخالف کے طور پر نہیں کرتا (اگرچہ وہ خدا کا باغی ہے اور باغیانہ فطرت کی تجسیم ہے) جتنا کہ وہ اس کا ذکر مخالف انسان کی طاقت کے طور پر کرتا ہے۔ قرآن کے بنیادی موضوعات، ص ۳۲

۸۴ محسن الملک، مکاتباتِ دلچسپ، ص ۳۷۴؛ احمد بن عبداللہ، اخوان الصفا، جلد ۲، ص ۳۴۳

۸۵ ایضاً، ص ۳۷۴

۸۶ محسن الملک، مکاتباتِ دلچسپ: خط سوم"، ص ۳۷۴،۳۷۵

۸۷ محسن الملک، مکاتباتِ دلچسپ، ص ۳۷۵؛ محسن الملک نے صفحات ۳۷۶-۳۷۸ پر قوائے بہیمیہ اور ابلیس کے متعلق سرسیدؔ کے نقطۂ نظر کی اخوان سے مزید وضاحت کی ہے۔

۸۸ محسن الملک، مکاتباتِ دلچسپ، ص۳۷۶؛ اخوان الصفا، جلد ۲، ص۳۴۳،۳۴۴؛ اس حوالے میں عبارت مفقود ہے؛ فضلؔ الرحمٰن کا اس سلسلے میں کہنا ہے کہ شر، جو خیر کا متضاد ہے، جسے قرآن شخصیت عطا کرتا ہے اور اسے ابلیس یا شیطان کے نام سے پکارتا ہے اگرچہ موخرالذکر تجسیم (شیطان) اول الذکر (ابلیس) کے مقابلے میں کافی کمزور ہے۔ قرآن نے مکی سورتوں میں خاص طور سے شیطان (جمع شیاطین) کو بعض اوقات اشارے کے طور پر انسانوں کے لیے بھی بولاہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فضل الرحمٰن شیطان کو جنوں میں سے سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں جہاں تک شیطان کا تعلق ہے وہ انسان کا ہم عصر ہے اگرچہ وہ آدم سے پہلے جن کی صورت میں موجود تھا۔ خیر اور شر کے درمیان جو کشمکش ہے وہ انسان اور صرف انسان کے لیے حقیقت ہے۔ چنانچہ قرآن شیطان کا ذکر خدا کے حکم سے بغاوت کرنے والے کے طور پر کرتا ہے لیکن انسان کے حریف اور دشمن کے طور پر نہ کہ خدا کے دشمن کے طور پر۔ اس لیے قرآن بار بار انسان کو یہ تنبیہ کرتا ہے کہ اسے شیطان کے خلاف کشمکش کرنا ہے۔ گویا فضل الرحمٰن بھی اس بات کے حامی معلوم ہوتے ہیں کہ شیطان کا کوئی وجود خارجی ہے اور شاید محسن الملک جب غیر مرئی مخلوقات کی وضاحت کرتے تو ممکن ہے کہ اسی طرح کرتے جیسا کہ فضل الرحمٰن کر رہے ہیں۔ قرآن کے بنیادی موضوعات، ص ۱۶۴،۱۶۶،۱۶۷

❁ ... ❁ ... ❁